

(طنزد مزاج)

سودیسی ریل

شوکت تھانوی



سودیشی ریل

(طنز و مزاح)

شوکت تھانوی

باب 1

دن بھر کے جھگمگاتے ہوئے تھے اور رات کو سڑکی درپیش تھا مگر لاکھ کچھ بھی ہو ہمارے سینہ میں دل اور دل میں آزادی وطن کا جذبہ موجود تھا اور ”بندے ماترم“ کے نعروں پر قیام ہم کے روئے تھے غیر ارادی طور پر ہمیشہ کھڑے ہو جانا کرتے تھے۔ خود ہم قسم پر سوئی کھڑا پہنے ہوں یا بدیشی پھران بندے ماترم کے نعروں میں بھی وہ بلا کی کشش ہے کہ اپنی طرف کشاں کشاں کھینچ کر چھوڑتے ہیں خواہ ہم بچا ہوں یا چارہ دار کسی ضروری کام سے جا رہے ہوں یا کسی عالم میں ہوں مگر جہاں کانوں میں یہ غرور گونجن ہوا پہنچا ہم قیام دینا اور قیام کیلیات سے غالی المذہبن ہو کر کسی کے مورچے ہیں اور یہ غرور ایسا دامن کشاں ثابت ہوتا ہے کہ ہم وہ عالم سے دست افشاں اسی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

آج بھی یہی ہوا کہ گو ہم پر سڑ سوار تھا اور ضرور بات منکر کو قیام کرنے میں ہمدردی تھی مگر میں امن آباد پارک کے چوراہے پر یہ غرور امن الدولہ پارک سے گونجن ہوا ہمارے کانوں میں پہنچا اور ہم اس کو سنتے ہی اپنے جملہ حقوق اس کے نام محفوظ کر بیٹھے۔ چنانچہ جیسٹ کر ایک شناسا کی وہ کان پر پہنچے جیسٹ کا نیچا اصرار مل جملہ کے یہاں کے کل کی شیشیاں تھپا کر اور صراحیوں کو کان پر یہ کہہ کر رکھ دیں کہ ”بھائی ابھی آتے ہیں ہم ذرا دیکھتے رہنا ان چیزوں کو“ اور یہ مے امن الدولہ پارک کے اس مجمع میں جو سوانی سمندر کی طرح سانس لے رہا تھا ہم بھی ایک قطرو کی صورت میں شامل ہو گئے۔

اس مجمع کے میں وسط میں ایک تخت پر ایک صاحب جو صورت سے لہو زہر مملو ہوئے تھے بھنی سر سے بڑے بڑے کھد بھنڈا رہنے ہوئے تھے۔ سر پر گاندھی ٹوپی داڑھی مونچھ سے فارغ اہل ہلہ سا کھد رکا کرتا اس کے کچھ کھد کی دھاتی ہاتھ سے ہونے چل پڑتے کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے۔ آپ کا ایک ہاتھ کر رہا تھا ہاتھ کر رہی جھکوں سے کر کو محفوظ رکھے اور دوسرا ہاتھ مجمع کی طرف اٹھائے ہوئے اس طرح حرکت میں لا رہے تھے کہ مجمع بیٹھ جانے والوں پر مشتعل ہے اور آپ بیٹھنا سڑ لیں۔ آپ تقریر کرتے کرتے مشرق سے مغرب کی طرف گھوم جاتے تھے اور کبھی مغرب سے شمال کی طرف، کبھی بالکل آپ کا رخ ہماری طرف ہوتا تھا اور کبھی ایک دم گھوم کر ہم سے من موڑ لیتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ کے الفاظ کبھی تو بالکل صاف سنائی دیتے تھے۔ کبھی دور کی آواز کی طرح اور اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کے لب ہینکا کی چھانچوں کی طرح چلتے ہوئے نظر آتے تھے مگر آواز ناسیب ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک سمیٹتے یہ بھی تھی کہ ہماری طرف جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ غل جانے میں اتار دیکھن اور کچھم کے گونگوں سے بڑا دھماکا

معلوم ہوتے تھے۔ لہذا یہ بھی ہوتا تھا کہ جب وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر تقریر کرتے تھے اس وقت بھی یہ معزز سامعین ذرا مشکل سے کچھ سنتے دیتے تھے۔ وردہ دیکھا تو ہر طرف گوم گوم کر حصر رسوائے الفاظ چاروں طرف انار ہے تھے۔ ہلچلی ہم نے جو کچھ سنا وہ بہت کافی تھا۔ اس لیے کہ شروع سے آشوبک الفاظ بدل بدل کر یعنی ہندی بولنے بولنے بھی اردو پر صافیت فرما کر بھی اردو میں بھی، انگریزی میں بھی، ترکی میں اور کبھی لہجہ میں۔ کبھی شش کر، کبھی چٹا کر، کبھی اوجھڑ کر، کبھی ادھر ادھر کر، آپ ایک ہی بات کو دہرائے جاتے تھے۔ مثلاً۔

”مستزاد ہنگو اب اس کا سے نہیں۔ اس کا وقت گزرا کیا کہ ہم ہم ایسی سہا ایسے چلے لکھی سٹیکس کر ان میں تو ہمیں رجزو کی سن گزور کریں اور اور چپ چاپ گھر میں چلے رہیں۔ اب آپ کا پوتا دیش اپنا کھٹ خود سنہا لانا ہے۔ اپنے حق پر کھڑا ہونا ہے (دوسری طرف گوم گوم گئے دور کی سی نہایت پارکے آواز آئی) اچانک سنہار کا رتو (پھر ادھر گھومے) تلفف کو چھوڑ کر اٹھئے۔ ۳۱ دسمبر کے بعد ہم کو تار مالک نہا تاجی دلوایں گے۔ سورانجی سورجیہ ہمارا پیدائشی حق تھا۔ وہ ہم کو مل رہا ہے (پھر گھومے) چچو محمد ز سوانجی، چٹلی، برٹل، گورنمنٹ، قومی جھنڈا، عین جیکے پر اترنا (چچو کے بعد تقریر ختم)۔

دو گھنٹہ کی اس محفل زبان تقریر کا سلیم ہم صرف اسی قدر سمجھ سکے کہ ۳۱ دسمبر کے بعد ہم کو سورانجی ضرور مل جائے گا۔ غالباً اس سے زیادہ انہوں نے کچھ کہا بھی نہ ہوگا۔

اور اگر کہا بھی ہوگا تو وہ اس سے زیادہ ضروری اور اہم نہیں ہو سکتا۔

لہذا ہم ای ۳۱ دسمبر کو سورانجی مل جانے کے خیال میں مستحق فیج کے مدد و ہمد میں قبیلے سے کھاتے ہوئے باہر آ گئے۔ دوکان پر سے اپنا سامان اٹھایا اور سیسے سے گھر پہنچے۔ اسباب باندھا کھانا کھایا، چھبر اور آرام کرای پر لیٹ کر شوق فرمانے لگے کہ اس لیے گاڑی کے وقت میں بھی ابھی ہمارے دو گھنٹہ کی دہری۔ بہر حال ہم بائبل تیار ہو کر اس لیے بیٹھے تھے کہ وقت آتے ہی اسٹیشن روانہ ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ شہر والی بھی پہنچے ہوئے تھے۔

گھر کا خیال اور ۳۱ دسمبر کو سورانجی مل جانا داغ میں چکر لگا رہا تھا اور اسی کے حلق میں غور کر رہے تھے کہ آٹھ فریہ سورانجی کے لیے اسوہمہ کی تاریخ کیوں مقرر کی گئی ہے۔ حساب لگا کر دیکھا تو اسوہمہ کا دن کچھان یا مہارگ بھی تھا اہلیہ پر ضرور تھا کہ اس کے بعد یکم جنوری سے نیا سال شروع ہوتا تھا مگر جب سورانجی کسی سے لکھنا نہیں بلکہ خود حاصل کرتا ہے تو آٹھ فراس کے لیے تاریخ کے تینوں کی ضرورت ہی کیا تھی اگر حکومت سورانجی دے دی ہوتی اور ہم اس سے لے رہے ہوتے تو ایک بات بھی تھی کہ صاحب ۳۱ دسمبر کو

سورانجی کالین دیں اس لیے ہوگا تاکہ نئے سال سے نیا کارخانہ شروع ہو لیکن جب حکومت کے دینے کا کوئی سوال ہی نہ تھا صرف ہم کو سورانجی لینا تھا تو آج کیوں نہیں لیا اگر آج سورانجی لیا گیا ہوتا تو ہم اپنی ریل میں سفر کرتے نہ اس میں بدلتی گاڑی ہوتا نہ کارخانہ ڈراما، نہ زنا، گھوٹا، نہ خلیہ کا ملکہ اور جہوتا۔ ہم خود ہی ریل کے مالک ہوتے، چاہے قمار میں بیٹھے، چاہے فرسٹ میں۔ ہم سے کوئی بچہ چھنے والا نہ ہوتا۔ ہم خود فرسٹ میں بیٹھے اور انگریزوں کو کھڑا کاس میں بٹھا کر پنا کھیر کھڑا کرتے اور پھر اکڑا کر سفر کرتے جس طرح آج کل انگریز سفر کرتے ہیں۔

ہم یہ سوچ ہی رہے تھے اور انہیں خیالات میں غم تھے کہ ایک دم سے کالوں میں پھر وہی ”بندے ماترم“ کی آواز آئی اور ہم گڑبڑا کر دوڑے گھر کے باہر دیکھتے کھینچے کیا ہیں کہ ایک بہت بڑا جلوس، جھنڈے اور جھنڈوں سے سجھا ہوا گیس کی قیوں سے منور ”بندے ماترم“ کے نعروں سے زمین اور آسمان کو گھراتا ہوا انارے مکان کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ ہم نے پہلے تو خود ہی اس جلوس کے حق کی گھنٹی کی خوشی کی مگر جب کچھ جلوس نہ آیا تو ایک آدھ صاحب سے پوچھنے کی خوشی کی گروہ ”جھنڈا لپکا رہا ہے ہمارا“ اس جوش و خروش سے گھر سے تھے۔ کہ انہوں نے نہ ہمارا سوال تانہ ہم کو کوئی جواب دیا تو ایک صاحب سے جو ذرا غاموش جلوس کے ساتھ جا رہے تھے۔ ہم نے پوچھا۔

”کیوں صاحب یہ بات کیا ہے؟“

جواب دیا۔ ”یہ جلوس ہے کہ گھر میں کا۔“

ہم نے کہا۔ ”دو سو کچھ کچھ مگر آٹھ فراس بات کا ہے۔“ انہوں نے ذرا غصہ کر آتھیں چھاڑتے ہوئے جواب دیا۔ ”کہ کیا آپ س رہے تھے خبر نہیں کہ سورانجی مل گیا ہم کو۔“

ہم نے حیرت سے منہ کھل کر کہا۔ ”سورانجی“

انہوں نے روانہ ہوتے ہوئے غالباً ہم کو یہ وقفہ سمجھ کر مسخرے کہا۔ ”ہی جی جناب سورانجی۔ سورانجی سوراچی۔“

دو روزہ رات ہو گئے ہم نے اپنے دل میں کہا کہ ابھی وہاں یہ بھی ایک ہی دہری دغا قول ہوئی تھاری اور سورانجی ملانا تو لوگوں کو۔ حالانکہ خدا ہم سے اور پھر سوچا کہ ہم اور یہ کچھ فیروزہ ہی ہیں ان کو ملایا ہم کو بات ایک ہی ہے۔ مگر وہ خدا خوب سورانجی۔ اگر اس وقت بادشاہات مانگتے تو ہم کو مل جاتی۔ دل کسی طرح سورانجی ملنے کا یقین نہ تھا۔ مگر جلوس ابھی تک نظروں کے سامنے تھا تو فرخ و افعات اور مشاہدے لے لے لکھی کو دور کیا اور ہم نے اس پر یقین کر کے کہ واقعی سورانجی مل گیا اور ہر شخص سے یہی چاہا کہ ہماری حیرت

ایک آزاد اور خود مختار انسان کی طرح آواز کر ساس لی۔ دل تو چاہتا تھا کہ اسی وقت ابھیر ملے، ایک جا کر کہیں کہ حوالہ کرو تمام خزانہ ہم کو اور نکل جاؤ تم لوگ یہاں سے۔ مگر چونکہ اب سوراخ مل جانے کے بعد ایک قسم کا استغنا پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرے سڑکی اور چش تھا۔ لہذا یہ ارادہ اور اسی قسم کی سختیوں اور سکون کو کھلتی کر کے ہم گھر میں چلے گئے تاکہ انکسٹین روانہ ہو جائیں اور اس لیے کہ اب وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ مگر سب سامان لیا اور اور سیدھے انکسٹین روانہ ہو گئے۔

انکسٹین اپنی کسب سے پہلا مرحلہ تک کا خریدنا تھا۔ لہذا ہم نے سامان تاجروں والے سے اترا کر وہاں رکھ دیا اور جنگ آفس کی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر اور اس کی سلاخوں سے جھانک کر کہا۔

"کانپور سیکینڈ کلاس مشکل جرتی۔"

جنگ لڑاک صاحب نے اپنی ڈاک کی پگھلی پر ہلکی ہوئی ٹیک کے اندر سے ہم کو غور سے دیکھا اور چند سیکینڈ تک ہمارا مطالعہ کرنے کے بعد کہنے لگے۔

"کانپور سیکینڈ کلاس مشکل لہجے گا۔"

ہم نے کہا "کی ہاں"

ہم نے اپنے اندر سے اندازہ کیا کہ ان کے انداز سے دو تین مرتبہ چپا کر ایک جیب اداسے دلبری کے ساتھ کہا۔

"اچھا تو میں ایک ہی بات کہہ دوں۔"

ہم نے کہا "کیا مطلب آپ کا؟"

کہنے لگے۔ "مطلب یہ کہ میں مول تول کیا جائے۔"

ہم ہلکی سی اس طرح پریشان ہوئے۔ مگر ہمارے اس جہنے کے باوجود ہماری نے کہا یہت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"جناب تم نے واقعی بات یہ ہے کہ تم نے اس سے ہم سے ملنے کا۔"

اب تو ہم کو اور بھی حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے تو دور پہ کچھ آئے کہ یہ تھا اور حال ہی میں رہنے کے ٹک کے دوسروں میں تحریف کا اعلان کیا تھا۔ اگر تحریف اضافہ کو کہتے ہیں تو دوسری بات ہے۔ اور نہ یہ تھا کہ یہ ہم نے ہمارے کہا۔

"تمہیں روپے کیوں کر ہوئے صاحب ابھی کچھ دن پہلے تو دور پہ کچھ آئے کہ یہ تھا اور حال ہی میں تحریف ہوئی ہے۔ آپ تین روپے کی بکرا کا بکد ہے ہیں؟ کچھ کوکانپور کا سیکینڈ کلاس مشکل جرتی چاہئے۔"

ہماری نے ڈائریکشن دے کر کہا۔ "میں بہر افیس ہوں میں لیا گیا آپ کوکانپور سیکینڈ کلاس مشکل جرتی چاہئے ہے مگر اسی کے میں تین روپے سے کوڑی کم نہ لوں گا۔"

ہم نے عاجزی کے ساتھ کہا۔ "مگر ہاوی صاحب ابھی ایک ہفتہ قبل تو دواہم بہت کم تھا اس سے جو آپ فرما رہے ہیں۔"

ہماری نے کہا۔ "وہ بات جانے دیجئے۔ اب دیش امارا ہے۔ ریل امارا ہے۔ ٹکٹ ہمارے ہیں ہم کو اور اچیل کیا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "اچھا تو یہ کہنے کے لیے کو بھی رو اچیل کیا ہے۔ اچھا خیر حرکت دلائے نہیں تو گاڑی چھوٹ جائے گی۔"

ہماری نے ہاتھ بٹکا کر کھلی عمارت ہوئے کہا۔ "لائے تین روپے اور ٹکٹ لے لیجئے۔"

ہم نے کہا۔ "صاحب ڈرا صاحب لگا کر دیکھئے۔ تین روپے تو میں بغیر سوچے کہے نہ دوں گا۔"

ہماری نے کہا۔ "اچھا آپ ایک آدمی روپے دیجئے۔ آپ کی وجہ سے نقصان ہی اٹھائیں گے۔"

اب تو ہم کو فنی کے ساتھ فساد اور فساد کے ساتھ فنی بھی شروع ہو گئی۔ فنی آری جی اور اس مول تول پر اور فساد رہا تھا فنی اور اس کے علاوہ دوسرے کے چھوٹ جانے کا دھوکا لگا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ مول تول کی اس نوعیت میں ہم وقت ضائع نہیں کر سکتے تھے لہذا یہ ارادہ کر کے بغیر ٹکٹ کے سفر کریں گے۔ ہم نے جنگ آفس کی کھڑکی چھوڑ دی اور چپے انکسٹین کی طرف ہم کو جاتا دیکھ کر ہماری نے آواز دی۔ "اچھا دھڑا ہے۔"

ہم نے جاتے ہوئے کہا ابھی کچھئے۔ جناب آپ کو مل لگی سمجھی ہے اور یہاں گاڑی چھوٹ رہی ہے۔

ہماری نے ہم کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر گھبرا کر کہا شروع کیا۔ "تمہیں تو صرمان اتنی سنے تو کسنا نہ آپ کی بات نہ دہائی جاتے تین روپے چاہئے دیجئے۔ اچھا اعلیٰ روپے نہ دیجئے۔"

ہم نے دوسرے کہا۔ "مجھے ٹکٹ چاہئے نہ ہموں لیا گا کہ نہیں چاہئے۔ آپ نے تو کاروبار میں مول تول شروع کر دیا۔"

ہماری نے بکرا آواز دی۔ "اور وہ چاہئے گا؟ نہیں؟ اچھا آگے بڑھو اور وہ چاہئے۔ اپنی دیکھئے تو اتنا سنا ٹکٹ آپ کو نہیں مل سکتا۔ اچھا لیجئے ایک روپے میں لیٹے چاہئے۔"

ہم نے جب ٹکٹ کے باز اچھا کیا وہ اس مسخرہ خیر انداز سے گرتے ہوئے دیکھا تو دوری سے بطور مذاق کہہ دیا کہ "بارہ آئے تو اس ٹکٹ کے نہیں؟"

ہم کچھ سے ہلکی ہلکی ہمارے اس مذاق پر تکی تو چاہیں گے کہ کمال کیا نہیں نے کہ گردن لٹا کر ڈراویسی آواز میں کہنے

لگے کہ "اے صاحب! بے پروائی کا وقت ہے۔ آپ سی کے ہاتھوں پر ہوتی ہو رہی ہے۔"

ہم نے بارہ آئے جسے گرن کر باہمی کے حوالہ کر دیے اور ان سے ٹکٹ لے لیا مگر ٹکٹ عجیب و غریب تھا۔ باہمی نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر "درجہ دوم کا ٹیڈر" لکھ کر ایک یو بی سی کیلکولیٹر کی جی جوتا لپٹا ان کے دھڑلے سے ہم نے اس ٹکٹ کو ادھر سے دیکھا ادھر سے دیکھا اور پھر باہمی کا منہ کھینچے لگے۔ باہمی تھے ذرا ادبی قافیاں سن سہم ہو کر بولے۔ "صاحب بات یہ ہے کہ رات کو سو رہے ہو، لیکن ڈیڑھ بج رہی ہیں اور نہ کوئی انتظام ہوا ہے۔ دو ایک دن میں سب انتظام ہو جائے گا مگر آپ کو اس سے کیا مطلب؟ آپ کو سڑک نہ ہے آپ سڑک پہنچتے۔"

باہمی کی اس تسلی کے بعد بھی ہم اس دھن میں جھارہ رہے کہ جس ٹکٹ پر نہ تاریخ ہو نہ ذکر اپنے نہ فاصلہ درج ہو۔ نہ درواگی کا مقام نہ ٹکٹ کیونکر کاہرے سکتا ہے۔ مگر ہم نے سوچا کہ جیسے بارہ آئے ہم نے وہی وہی ایک ٹکٹ ہم کو ملا ہے۔ یہ سوچ کر کہہ گئے بارہ آئے یا پھر کہہ کر نہ ہم میں ہم رہیں گے ہم قحلی کو اٹھاتے ہوئے اسٹیشن کے اندر داخل ہو گئے۔

اسٹیشن چلے بغیر ہی چار باغ لکھنؤ کا اسٹیشن تھا۔ جس سے ہر صبح ہم نے سڑک پر تھا۔ مگر آج اس کا نقشہ دوسرا تھا۔ سامان سب کچھ وہی تھا مگر آج سے پہلے ہم دیکھ چکے تھے۔ مگر معلوم نہیں کیا بات تھی کہ گو کسی نے اسٹیشن کو تھانڈی کھلا دی تھی۔ یا لٹا باندھ کر لٹکا دیا تھا۔ وہی گھڑی تھی اور وہی گھڑی میں ہنوز ۱۰ بجتے ہیں ۲۵ منٹ باقی تھے۔ حالانکہ اب گیارہ کا وقت تھا۔ اسباب کے ٹھیلے پر پان واپس اٹھائی دکان لگائے بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر ایک اسٹال پر ایک کھانا والا دیڑے بڑے کے دوئے بنا رہا تھا۔ انگوڑی آفس کی کھڑکیاں بند تھیں۔ محراب کے سامنے ہی ایک جھل واپس اٹھائی دکان لگائے ہوئے تھا۔ اسٹیشن ماسٹر کے کمرے پر کھر گری جھل انکا ہوا تھا۔ اس کے باہر ایک والٹیر بڑا سا نڈا لپے کھڑا تھا۔ مگر جس تلاش میں ہم آئے تھے اس میں قطعاً کام تھے۔ یہی تئیں کھیں کا کہیں پتہ نہ تھا اور ہماری جگہ میں قطعاً نہ آتا تھا کہ آ رہا اسباب۔ ٹرین تک کیونکر پہنچاں گا۔ آخر یہ مشکل تمام ایک قحلی ملا لیکن جیسے ہی ہم نے اس سے اسباب افغانے کو کہا اس نے لیکن نہیں ہو کر جواب دیا۔

"اندھے ہو گئے ہو نہ کمانی نہیں دیکھ کر ہم قحلی ہیں یا اسٹیشن اسٹیشن ماسٹر۔"

ہم "معاف کیجئے گا" کہہ کر ہمارے ہرے ایک گز پیچھے ہٹ گئے اور ان اسٹیشن ماسٹر صاحب کو سر سے ٹوک بندھ دیکھنے کے بعد سوچنے لگے کہ کیا لٹا ہے کی انتکاب ہے۔ پہلے تو اس صورت کے قحلی ہوا کرتے تھے۔ اب اگر اس صورت کے اسٹیشن ماسٹر ہوئے گئے ہیں۔ تو قحلی کس صورت کے ہوں گے۔ بہر حال ہم نے پھر کسی قحلی سے غور و دو قحلی کیوں نہ ہو۔

اسباب افغانے کی فرمائش اس ڈر سے نہیں کی کہ سادہ یہ اسٹیشن پر پینڈنٹ یا ٹریک (سپیکٹر) کا مرشل فیکر ایجنٹ وغیرہ ثابت ہو اور ہماری شامت آ جائے۔ لہذا ہم نے خود ہی اپنا اسباب افغانا اور دو تین مرتبہ کہہ دیکھنا کھانا تک پہنچایا۔

اس سیکڑ کھان میں پہلے ہی بیٹھے ایک عظیمین "چلم ی ر ہے تھے۔ اسباب قریب سے رکھ کر جب دارا امینان ہوا تو ہم نے سوچا کہ یہ حقیقتات کر لیتا ہا ہے کہ کبھی گاڑی کا پتہ نہ جائے گی یا کوئی اور لہذا سب سے پہلے ہم نے ان ہی چلم بیٹے والے شریک سطر سے دریافت کیا جو ہمارے بڑے میں شریک لڑھکتے لیکن انہوں نے بھی جواب دیا کہ۔

"کاجلی بیگم کا ناہی مولوم" یہ خاص سویشی ریل کے سیکڑ کھان کے معزز ناہی تھے ان سے بھلا کیا معلوم ہوتا جھوڑا ہم خود بیٹے فارم پر آئے اور جھوڑا دیسوں سے اس باب میں حقیقتات کرنے کے بعد جو عجیب و غریب بات معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ اگر ماسٹر کا پتہ نہ کرنا ہو گئے تو وہاں جائے گی کہ وہ نہ جہاں کے مسافر ان کی تعداد زیادہ ہوگی وہاں چلی جائے گی۔ اسی لیے ابھی تک انجنیئرس لگا لگا گیا ہے کہ خدا ہائے ٹرین کو شرقی کی طرف جاتا ہے یا مغربی کی طرف۔ ہم نے غمخوار کچرچا۔

"لیکن یہ فیصلہ کب ہو گا؟"

جواب ملا کہ "جب گاڑی بھر جائے گی۔ اس وقت یہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔"

ہم نے کہا "مگر ٹرین کا وقت تو ہو چکا ہے؟"

ایک صاحب نے قائل کرنے کے لیے تنبیہ کی اور تہہ برے ساتھ کہا۔

"صاحب وقت ہو چکا کہ مگر یہ تو سوچنے کے جب تک ٹرین بھرنے ہائے کیونکہ چھوڑی جا سکتی ہے۔ کیا خالی ٹرین چھوڑ دی جائے۔"

اب ہم راضی رہنا ہو کر گردن اٹکائے ہوئے ان حضرات کے پاس سے چلے آئے۔ اس انتظام کو ہر اس لیے نہیں کہہ سکتے تھے کہ کھان لوٹ کے مرکب ہو تے تھے کیونکہ پتہ ہماری ہی قہتاؤں کا نتیجہ تھا اور ہماری ہی دعا میں باہمی قبول سے یہ نعمت ہمارے لیے لائی تھیں۔ البتہ دل ہی دل میں یہ ضرور کہہ رہے تھے کہ انکی بے قاعدگی تو ریلوں میں بھی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ریل کے بھائے لاریوں میں سڑک نہ والوں کو ہم نے ہمیشہ کچھ یو بی سی ماسٹر ہے کہ اول تو وہ لاریوں میں تریز اور کہہ کی طرح ایک کے اوپر ایک لدر سڑک کرتے ہیں۔ دوسرے ان کا کوئی پروگرام ہی مرتب نہیں ہوتا۔ جب لاری بھر جاتی ہے اور لاری کے مالک کی مرضی کے مطابق بھر جاتی ہے اس وقت دور وادہ ہوتی ہے۔ غولوں اس میں کچ سے شام ہو جائے۔ پھر گرامر راستہ میں پڑا دل غم ہو گیا تو تمام

سوار یاں لاری کو ڈھکیل ڈھکیل کر چلتی ہیں۔ گویا سواری کو اپنے اوپر سوار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر موٹر مارا بجھ صاحب نے ذرا بھی ادھر سے ادھر گھماد یا تو دی لاری موت کے گھاٹ بھی گتار دیا کرتی ہے اور کسی دوسری لاری یا کسی تیل گاڑی وغیرہ سے ٹکرا جاتا تو اس کے پاگیاں تھک کاٹھیل ہے۔ مختصر یہ کہ لاری پر سڑکر خصوصاً ان مقامات پر جہاں ریل بھی جاتی ہوسوائے صافیت کے ہمارے نزدیک اور کچھ نہیں مگر آج ریل کا انتظام لاری کے انتظام کی بات کیے دیتا تھا۔ بلکہ ہم لاری پر جس حد تک معترض ہوتے تھے اس پر آج اس ریل کی تحریک دیکھ کر حیرت و کجی کا درد چہ تا دم ہوتا ہے۔ تھے اور گویا دیں لاری میں لاری سے معذرت خواہ تھے کہ اسے مختصر ہم نے جری بہت تھکیل کی ہے تو ہم کو صاف کر دے۔

اس وقت ہم بھی لوٹنے میں پانی لاکر بھی اپنے ڈبے میں چلے کر بھی پیٹ کا دم پر پٹیل کر بھی انجی کو مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک مد نظر تک ڈھونڈ کر بھی مسافروں کی تعداد کا اندازہ کر کے وقت کا نئے گئے۔

گیارہ سے بارہ بارو سے ایک اور ایک سے ۲ بجے مگر ذرا ٹیشن کی گھڑی کی سواری اپنی جگہ سے ہٹنی زلزلین جگہ سے علی البیت گھڑی کی جگہ پر ہمارا دل اشتیاق کی کیفیت کے قیامت چل رہا تھا اور زمین کے سہانے ہم خود پیٹ کا دم پر چٹک کر رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے ایک کھد دھچ دھچکھ لہا انسان نے پیٹ کا دم پر آ کر چٹنا شروع کیا کہ

”بیٹھے والے مسافر ڈھنکواڑی چھوٹی ہے۔“

ہم نے یہ مدعوہ ہاتھ اٹھتے ہی مشرق کی طرف انجی کو ڈھونڈا پھر مغرب کی طرف انجی کو غائب تھا اور ہماری ہانکوں ہمیں نہ آتا تھا کہ بغیر ان کے لڑین کیونکر چھوٹ رہی ہے۔ مگر قلب اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ یہ اعلان ان ہی اسٹیشن اسٹیشن ماسٹر صاحب کے غم سے ہوا تھا جن کو ہم پہلے قلی کیجے تھے۔ بہر حال بغیر کچھ سوچے کیجے ہم قبیل غم میں اپنے دل کے اندر آ گئے اور ہمارے بیٹھے ہی اسی پیٹ کا دم کے اندر دو تین درجن لوگ تھکوا رہ گئے۔ ہم نے ان سے لاکھا لاکھا کہے۔ ”یہ پیٹ کا دم ہے آگے جاؤ۔ مارے بھی یہ پیٹ کا دم ہے۔ اس پیٹ کا دم ہے۔ پیٹ کا دم ہے۔“ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ کبھی کہتے رہے کہ ”ہم ہو جانتے ہیں اے لڑا ہے ہم ہو گئے لیا ہے اے لڑا ہا کیا“ ”بھرا ہم کو اس گھوڑوں کے سامنے چپ ہو جانا پڑا لیکن ارادہ کیا کہ پیٹ کا دم پر جا کر کسی آدمی صاحب سے کہہ دیں کہ یہ لاکھ پیٹ کا دم ہے۔“ ”چنانچہ پہلے تو ہم نے گارڈ کو حاش کیا مگر جب گارڈ کا پتہ نہ ملا تو بھجوراؤ ان ہی اسٹیشن ماسٹر صاحب سے جن کو ہم قلی کیجے تھے ہم نے عرض کیا مگر انہوں نے خاصا سوسائٹی شان سے کہا ”بیٹھے جا کر پائی جگہ پر سب اندوستانی برابر ہیں سب بھائی ہیں۔ سب بھارت اات کے پوت ہیں کوئی کسی سے چھوٹا یا بڑا

فیس ہے جن کو آپ خود کہہ رہے ہیں وی آپ کے ان داتا ہیں آپ کے لیے کھینچ بازی کر کے لٹاق پیدا کرتے ہیں انہیں تو آپ بھوکوں مر جائیں اب پیٹ کا دم تو ہر ڈاکاں کے لڑی کو بھول جائیے اور سب کو برا بھگے جا کر بیٹھے نہیں تو ہر ڈاکاں میں بھی جگہ ملے گی۔“

ہم یہ کھری کھری تقریر سن کر پتا سامنے لے ہوئے واپس آ گئے۔ اب جو آ کر دیکھتے ہیں تو یہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ایک کے اوپر ایک لدا ہوا ہے۔ پیٹ کا دم کے دیو گدوں پر پاؤں پاؤں کی سر کے جوڑے رکھے ہوئے ہیں داتا لوگ بیٹھے تھے اور ایک جب بحث ان سب کے درمیان چھڑی ہوئی تھی۔ جو معلوم ہوتا کہ مغرب جنگ عظیم کی صورت میں جیل ہو جائے گی۔ قصہ یہ تھا کہ اسی ان سب نے پیٹ کا دم کے گھٹ لے گئے تھے یا ان کو جنگ آفس کے فکڑ صاحب نے اسی اور جگہ دے دیے تھے۔ اس لیے کہ سب کے پاس وہی کاغذ کے پرزے تھے جیسا کہ ایک ہمارے پاس تھا۔ مگر لپیڈ یہ تھا کہ کسی سے تو بارہ آنے لے گئے تھے۔ کسی سے چودہ آنے کسی سے دوپہر اور کسی سے سوارو پیہ لکھا یہ سب حضرات اپنے اپنے دام بتا رہے تھے اور ایک دوسرے کو جھوٹا کہہ رہے تھے۔ اس لیے کہ ایک درجہ گھٹ ہر ایک کے پاس یکساں داسوں کا ہونا چاہئے۔ ہم اس دلچسپ بحث کو عرض تک سنتے رہے اس لیے کہ ان سب سے علیحدہ فصل خانہ کھول کر اس کے کھول پر ہم نے اپنی لیے جگہ پیدا کر لی تھی۔ ایک گھنٹہ تک ہم نے ان پیٹ کا دم کے مسافرؤں کی قلی کا دم لگوئی۔ تو تو میں میں اور مناظر و مناظر تکلیف دے دلچسپی لی۔ اس کے بعد پیٹ کا دم پر آ کر دیکھیں یہ گاڑی چھوٹنے لگی بھی نہیں۔ مگر خدا کا شر ہے کہ اس وقت ریل میں انجی لگا یا جا رہا تھا۔

اور عرض کر رہے تھے کہ پتا نہ رہی کہ جانب انجی لگا رہا تھا۔ ہم خدا کا شر اور کہ لڑین میں آ گئے اور اس امیتان کے ساتھ چل رہے کہ اب تو بہر حال لڑین چھوٹی ہی جائے گی۔ مگر اب کی مرچ بھی ہم کو تیس چالیس صنف تک فوجی بیٹھا پڑا۔ آخر کار ہم نے پیٹ کا دم پر پھر اتر کر چھوٹا ”آ خر گاڑی چھوٹنے میں کیا دیر ہے۔“ ایک صاحب نے جو ہماری ہی طرح مضطرب معلوم ہوتے تھے جواب دیا کہ

”کیا عرض کیا جائے جناب ڈاک میں دم ہو گیا ہے۔ اگر ضروری کام نہ ہوتا تو صحت بھیج کر اس لڑین پر نہیں تو سب کا داس چلا گیا ہوتا۔ اب معلوم ہوا کہ سیکرٹری صاحب ڈاکن کا گھر میں کھینچ لاکھا رہے انہوں نے کہا ابھی ہے کہ وہ آ جائیں تو گاڑی چھوڑی جائے۔“ ۱۲ بجے آنے کا کہا ابھی تھا مگر اب تک نہیں آئے۔“

ہم نے کہا۔ ”صاف اب تو میں بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ ان کے بار جاؤں یا نہ جاؤں کام بہت ضروری ہے اس لیے جانا بہت اہمیت

رکتا ہے کڑی چھوٹی ٹیس اس لیے حوصلے پرست ہوئے جاتے ہیں۔ بہر حال اب جو فیصلہ کیجئے۔ "ابن صاحب نے کہا۔ "پہلے تو آپ اور میں دونوں ایک ہی جگہ پر بیٹھ جائیں پھر غور کریں گے۔"

ہم نے کہا۔ "میرے پاس تو آپ نابالغ بیٹھنا گوارہ نہ کریں گے اس لیے کہ مجھ کو اس بیٹھنے کا شک سے کہیں کہ اس کے کواہر جگہی ہے۔"

ابن صاحب نے کہا۔ "اور صاحب میرا یہ حال ہے کہ میرا اسباب تو ضرور فرست گا اس میں رکھا ہے مگر میرے لیے کبھی جگہ نہیں چلنے کوئی اور جگہ نہیں۔"

آخر کار ہم دونوں نے ٹل کر ایک نہایت ہی پرسکون جگہ صحنہ کی مٹی دلوں پر جس کو سوار چلنے سے پہلے ریٹھوانا کار کہتے تھے اور جوتا جوتا وغیرہ خالی پر ہوا تھا ہم دونوں نے اپنا سامان لا کر بیٹھنے سے اسی میں رکھ دیا بیٹھنے سے اس لیے کہیں کہ کوئی ریلے سے آفیسر دیکھ لے گا۔ ایک اس لیے کہ کوئی اور مسافر دیکھ نہ لے۔ اس پرسکون جگہ پر بیٹھ کر ہم دونوں جکھ سوچنے ہی والے تھے کہ "ہند سے باختر" کے شکاف نفوس نے ہم دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر سے اچھال دیا۔ معلوم ہوا کہ سیکرٹری صاحب ڈاؤن کار میں کھینچی آ گئے۔ ہم نے بھی اس ریٹھوانا کار کی چابی سے جھانک کر دیکھا تو ایک گھج کے وسط میں وہی کھدر پرانی لپڑہر صاحب نظر آئے۔ جن کی تحریر رات ہمیں چپے تھے اور جن کی تحریر نے اگر کچھ پہچنے تو سوراخ دلوں یا تھا۔ اب ہم کو مطمئن ہوا کہ یہی ڈاؤن کار گھر سے کھینچی آئی ہے۔ ان کے ٹھکانے پر لڑنے کی ہر ایک اپنے اپنے ڈبے میں گھس گیا اور انہی جگہ میں سناٹا لگا۔ یہاں تک کہ توہڑی ہی دیر میں ایک کھدر پرانی چیل ڈیر پاؤں گوارا نکال اور ہر گز سے کی جھنڈا ہاں سے ہوتے ہوئے صوبہ ہوا سے اور ہم نے اپنی جگہ پر بٹھ لیا کہ یہی گارڈ ہیں۔ ان گارڈ صاحب نے بیٹھتے قارم پر آتے ہی انکھدے کرتے کی جیب سے ایک سیٹی نکال کر کھائی اور پہلے سرخ پھر جلدی سے ہر جھنڈی اس طرح جلائے گئے کہ گویا پہلے سیٹی سے ہر کے کھانے سرخ جھنڈی ہادی جی۔ دو تین مرتبہ سیٹی بھانے اور جھنڈی جلائے کے بعد آپرے خاص سرخ ہو کر انہی کی طرف بیٹھنے اور ڈرائیو کو انکھدے شروع کر دیا۔

"گھنٹہ میرے سیٹی بھار ہاں ہوں جھنڈی دکھا رہا ہوں مگر تو تھہرے کان سیٹی کی آواز سننے میں نہ آتھیں جھنڈی دیکھتی ہیں کہ فرین چھوڑ دو۔" ڈرائیو نے بھی ان کے اس بھاسا کھسکا جواب انہی پر سے اتر کر کراک کر دیا کہ "صاحب آپ مجھ پر کیاں آتھیں نکال رہے ہیں۔ میرا کیا قصور ہے۔ دو گھنٹے سے کھوکھڑ میں کھولنے بیٹھ گیا ہوں۔ جس نے کہہ دیا تھا کہ لپک کر جھنڈی سے لے آؤ۔ پچھلے بتا دیا تھا کہ کاب سب سے پہلے باغ کے چانک سے لے آؤ۔ دو چار جیسے کہ یا تو وہ کھانیاں نہ کرتا۔ مگر وہاں کمر

رہا۔ اب بتائیے کہ کیا میں اپنے کواٹھن کی بجائی میں ڈال کر گاڑی چھوڑ دوں۔"

گارڈ صاحب ڈرائیو کو بے قصور کچھ کر فرین روکنے پر مجبور ہو گئے۔ اگر یہ گھوڑا گاڑی ہوتی تو گھوڑے سے بھارے کو بغیر دانہ گھاس کے مقرر بار مار کر توہڑی دور چلا دیا جاسکتا تھا۔ مگر جی ریلے سے فرین جس کا آہنی گھوڑا کھنڈ کو اپنے لیے دانہ گھاس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا اور بغیر کھنڈ کے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا تھا اب بتائیے کہ فرین بھی جی جی اور مسافر بھی گھارڈ صاحب بھی موجود تھے اور سیکرٹری صاحب ڈاؤن کار گھر سے کھینچی بھی ٹھکانے آئے تھے اور ڈرائیو بھی پارک تھا۔ مگر ایک کھنڈ کے نہ ہونے سے ان سب کا ہونا نہ ہوا سب کیسا بنا ہوا تھا۔ گویا اس وقت کو کھنڈ بکھو تھا اور اس کے مقابلہ میں نہ سیکرٹری صاحب ڈاؤن کار گھر سے کھینچی کوئی چیز تھی اور نہ ڈرائیو صاحب کی کوئی حیثیت تھی نہ گارڈ صاحب کو اس کے مقابلہ میں کوئی اہمیت حاصل تھی نہ ان کی جگہ اسٹیشن ماسٹر صاحب کی کوئی وقعت تھی۔ اس وقت تو سب کچھ کھوکھڑی تھا اور اسی کا انکھار اس شدت سے کیا ہوا تھا کہ ہر مسافر اپنی جگہ پر قس منہ پھینکا۔ "بلی چانکول" کے انکھار میں آتھیں پھاڑے ہوئے کھوکھڑی میں کی رادو کچھ رات تقریباً دو گھنٹے کے بعد کھوکھڑی میں کھنڈ کا ایک بھرا چھوڑے لا دے یا پچھتے پچھتے اور انہی کے سامنے بھرا چھوڑے سے بیٹھتے قارم پر کھاتے ہوئے کھینچی چھوٹی ہوئی ماسٹوں کے درمیان گھٹا سہلا سہلا کر کہنے لگے۔

"آدھی رات کو کھنڈ دھانے چلے ہیں قارم دوکان میں نہ ہو گئیں کب کی بیٹھ باغ کے چانک دلی دوکان کے دوکان دار کو جگایا تو اس نے نگرے شروع کر دیئے۔ کسی طرح ڈاؤن ہاں پہنچے من سے کم نہ کرتا تھا آخر کار کاب سب کچھ کھوکھڑی کو ڈاؤن روپ پہنچا تھا تو کوئی دو روپ بچے آئے اور بٹھو دینے گئے صرف صرف دو روپ بھجور ایک دوکان دار کے ہاتھ میں جو کڑا سو روپ بچے کے بھادے سے یہ کھنڈ لیا ہے اور چوٹی قرض کر آ یا ہوں۔ راستہ بھر دوڑتے دوڑتے الگ تانک میں دم ہو گیا۔ ایک جگہ کر بھی گیا قارم گھٹے چل کر رو گئے۔ صاحب یہ کھنڈ وہلڈن سے منگایا کرو۔" دلو۔

ڈرائیو نے جھنڈی جلدی کھنڈ انہی میں ڈالا۔ انہی سناٹا اور ڈرائیو نے سیٹی بھار گاڑی چھوڑی اس لیے کہ گارڈ سے اب مشورہ کی چندان ضرورت نہ تھی۔ وہ خود بڑے گھنٹہ چل سیٹی بھی بھانچے تھے اور جھنڈی بھی دکھا دی تھی۔ لپڈ اب ان کی سیٹی اور جھنڈی کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال خدا کا لاکھ لاکھ شکر وہ احسان ہے کہ گاڑی رکھ کر گاڑی ابھی چھوٹی ہی تھی کہ ایک شور مچ گیا۔ "گاڑی روک۔ گاڑی روک" گارڈ صاحب رو گئے۔ "بھجور گاڑی بھجور کی اور گارڈ صاحب کو لے کر روانہ ہوئی۔ مگر ابھی مشکل سے چار پاؤں گز چلی ہوئی کہ گارڈ صاحب نے گاڑی کو اپنی جھنڈی کے ڈانڈوں سے بھاسا کھچن شروع کیا کہ "اوسے ڈاؤن کھیر بھی لے لیا ہے

پائین "تھوڑی دیر کے بعد راجہ نے پھر گاڑی روک دیں اور پکار پکار کر راجہ صاحب سے پوچھا۔

"کیا بات ہے کیا کہہ رہے تھے آپ کچھ سنائی نہیں دیا۔"

راجہ صاحب نے بھی کچھ کہا۔ "اے یہ کڑائی کبیر بھی نے لیا تھا لائن کبیر؟"

راجہ نے بھی چلا کر جواب دیا کہ "لے لیا تھا" لے لیا تھا۔"

راجہ صاحب نے اس طرف سے اطمینان فرما کر کہا۔ "اچھا تو پھر چھوڑ دو گاڑی میں بٹھا ہوں سٹی اور لو یہ دیکھو میں مہنڈی دکھا رہا ہوں۔"

راجہ صاحب نے مہنڈی دکھا کر سٹی بھادی "مگر راجہ اس سے قہقہہ لڑیں چھوڑ چکا تھا اور اب گویا ٹرین چل رہی تھی اور ہم سڑک رہے تھے۔ ہمیں وقت گاڑی کی رفتار ایک عجیب حد تک متاثر ہوئی تھی اور ہم مسلسل غور کر رہے تھے کہ یہ کیسی ہے یا ایک پھر نہیں اس لیے کہ اس کی رفتار سے زیادہ چیز شاید ہم خود چل لیتے۔ بلکہ اب بھی اگر شرط پانچہ کروڑ میں تو اس گاڑی سے قہقہہ لڑنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس کی رفتار میں بھی تو "خراشاں خراشاں" والا انداز دہری پڑا ہوا جاتا تھا۔ کبھی "آہ خراشاں" کے جواہر دکھانے لگتی تھی اور کبھی اس کی رفتار اس قدر غیر محسوس ہو جاتی تھی کہ "عظام" کا شبہ ہونے لگتا تھا۔ آخر ہم سے نہر ہوا گیا اور ہم نے اپنے شریک سفر سے پوچھا۔

"کیوں صاحب یہ کیسی ہے یا ایک پھر نہیں؟"

راجہ صاحب نے بھی زیادہ ذہن سے یہ سوال دہرایا۔ "اے صاحب خدا کا شکر ادا کیجئے کہ یہ گاڑی ہے۔ آپ یہ چل اور ایک پھر نہیں لے پھر رہے ہیں اگر نہ پگھلی پکاڑی تو آپ کیا کر لیتے۔"

ہم اس جواب پر خاموش ہو رہے اور کھڑکی سے باہر منظر کا کسیر کرنے لگے۔ مگر سیر سے زیادہ دلچسپ منظر یہ تھا کہ مسافر ٹرین سے نہایت اطمینان کے ساتھ اترتے تھے اور پھر اس سے بھی زیادہ اطمینان کے ساتھ بیٹاب بٹاب بٹاب وغیرہ کے کسے چل قدمی کرتے ہوئے ٹرین میں سوار ہو جاتے تھے۔ راستہ میں سے مسافر تو تھوڑی تھوڑی دور کے قافلے پر مابل رہتے تھے اور ٹرین میں سوار ہوتے جاتے تھے۔ ہم اس منظر سے لطف اٹھا رہے تھے کہ کیا ہم نے عالم باغ کا بازاردیکھ کر ایک مرتبہ زور سے کہا۔ "اے یہ کیا؟"

ہمارے شریک سفر نے کہا۔ "کیا ہوا آخر یہ تو ہے؟"

ہم نے گھبرا کر کہا۔ "یہ ٹرین تو بریلی سہارن پور لگا ہوا چٹا اور زورہ خیر" کامل وغیرہ کی طرف جاری ہے کیا پتہ ہے کیا مطلب؟"

ہمارے شریک سفر نے اب تو بیٹھا ہے اور گھبرا کر بولے۔ "وہ کیسے؟"

ہم نے کہا۔ "یہ دیکھئے عالم باغ سے دو ساتے عالم گڑا بازار ہے اور اس کے آگے عالم گڑا سٹیشن پر راست کا پتہ دیکھ کر ہو سکتا ہے۔"

ہمارے شریک سفر نے کہا۔ "تو پھر آپ نے کیوں کہا تھا کہ کان پر جا رہے ہیں آپ؟" ہم نے کہا۔ "واہ غصہ داد کیا صرف میں ہی

نے یہ کہا تھا آپ نے بھی تو یہی اشارہ فرمایا تھا۔"

شریک سفر نے کہا۔ "خانا بڈا راجہ راستہ بھول گیا۔"

ہم نے کہا۔ "یہ راستہ میں اس طرف کے مسافر زیادہ ہو گئے۔"

شریک سفر نے کہا۔ "مگر حقیقت تو کہنا چاہئے اس کی۔"

ہم نے کہا۔ "مفروضہ کچھ حقیقت کو منہ کر رہا ہے۔"

شریک سفر نے کہا۔ "اترے ٹرین سے چل کر راجہ راجہ سے پوچھ آئیں۔"

ہم نے کہا۔ "نہیں صاحب ممکن ہے کہ اسی دوران میں لٹلی سے اسپتال چلے ہو جائے اور ہم سب۔"

کہاں کے دیر حرم گھر کا راستہ نکلا

ہیں کہ اس جگہ رہ جائیں۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ غصہ کی زنجیر کھینچی جائے۔"

شریک سفر نے اس وجہ کو پسند کر کے زنجیر کھینچی اور کہنے لگے۔ "مگر ٹرین نہ آتی رہتی ہے نہ کل آخر ہم نے تھوڑی دیر تک ٹرین کے رکنے کا انتظار کرنے کے بعد ان سے کہا۔ "جواب دلاؤ وہ کیسے۔"

شریک سفر نے کہا۔ "بھائی ہماری طاقت سے کیسے ہوا اس اور زیادہ زور کی ضرورت ہے تو تم بھی ہاتھ لگاؤ۔" ہم بھی بڑھ کر زنجیر میں لٹک گئے اور دونوں نے کل کس زور سے اس کو کھینچا کہ دونوں کے ہاتھ میں آگئی اور ہم دونوں اس کے ہتھکے میں آئے اور اس طرح گرسے کہ شریک سفر ہمارا دکان کھینچ رہے ہوئے تھے اور ہم ان کو اس طرح کھینچے ہوئے عکس پر فرما رہے۔ گویا خانہ دہلی میں ہیں صرف بچے ان کی کسر ہے۔ مگر ٹرین اس کے بعد بھی نہر کا تھی نہر کی۔ آخر ہم لوگ اپنے پکڑے مہماؤں کو اس اور وہ سے اٹھے کہ زنجیر سے پڑیں نہیں رہتی ہے تو خود اتر کر راجہ صاحب سے عرض کریں کہ راجہ صاحب تو آئی یہ بتا دیجئے کہ پتہ دیکھ کر پتہ سارا راستہ بتا دیا ہے جو براہ عالم گڑا۔ ہم یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ٹرین خود ہی ایک ہتھکے سے ساتھ لہر

گئی۔ اب جو ہم دیکھتے ہیں تو عالمگیر اسٹیشن تھا۔ ٹرین کے نمبر سے ہی وہ مسافر اپنے اپنے ڈیوں سے نکل آئے جو ہماری طرح اس راستہ کی تہہ جی سے پریشان تھے۔

خود گاڑا صاحب بھی حیران و پریشان ڈرائیور کی طرف جھپٹے ہوئے اور اسے میں اسٹیشن ماسٹر عالمگیر بھی اپنے دولت کدہ سے وصولی ہاندے میں غیور ست کرتے ہوئے نکھڑاؤں پسینہ دہن کرتے آچٹھنگاؤں ڈرائیور کو دیکھتے ہی کہا۔

”یہ آپ کا ٹیڈر جا رہے ہیں؟“

ڈرائیور نے کہا۔ ”صاحب میں نے پہلی ہی کبھی دیکھا تھا کہ میں نیا آدمی ہوں۔ راستے سے واقف نہیں، لکھنؤ سے جب چلا ہوں تو کانپور کی اور یہ پڑی اس قدر قریب قریب بھی ہوئی تھی کہ غلطی سے اس پڑی پر اچھن آ گیا اور مجھ کو خیال ہی نہ رہا۔ بات یہ ہے کہ اگر پڑی پر لکھا ہوتا کہ یہ عالمگیر کی پڑی ہے اور یہ کانپور کی تو یہ غلطی نہ ہوتی۔“

ڈرائیور نے اپنا بیان ختم ہی کیا تھا کہ اسٹیشن ماسٹر عالمگیر نے کہا۔ ”مگر کیا آپ کی کبھی اسٹیشن ماسٹر کی شہادت ہے؟“

ڈرائیور نے کہا۔ ”اسٹیشن ماسٹر کی کہ وہ دوسری چیز اور دوسری چیز اور دوسری چیز اور دوسری چیز تو سب ہی کر سکتے ہیں۔ مگر ڈرائیور میں جیڑ کا گازی چلائے تو میں پوچھوں گا کہ راستہ کبھی آ رہا ہے یا نہیں؟“

گاڑا نے ترقی سے کہا۔ ”اپنی غلطی نہیں مانتے اور بے گارہ بحث کر رہے ہو کیا تم کو یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ یہ عالمگیر کا راستہ ہے۔“

ڈرائیور نے کہا۔ ”آپ بے کار دغا ہو رہے ہیں ابھی تک تھوٹیں واپس تھوٹے تھوٹے کیلے معلوم کر دیں کہ کون سی پڑی کہاں گئی ہے۔ البتہ اگر میں تو یہ غور بلند کرنے میں غلطی کروں یا قوی تر انداز لگاؤں تو آپ کہہ سکتے ہیں مگر انجمن چلانے کا اتفاق تو آج ہی ہوا ہے وہ کیا اگر کوئی ٹرین نہ تھائے تو آگے سے کہاں میں جھپکی کی طرف چلائے شروع کروں۔“

گاڑا نے کہا۔ ”تو کیا کھانا زمین نے بھی نہیں ہٹا یا کہ راستہ لٹا ہے۔“

ڈرائیور نے کہا۔ ”جب ٹرین چلی دی اور اس نے مجھ کو ہٹا دیا کہ اس طرف انجمن چلتا ہے اور اس طرف رکتا ہے تو میں نے اس سے کہا دیکھا تھا کہ اچھا اب ایک ٹیڈر سولو۔ وہ بے چارہ دھور دھاتا۔ جا گا ہوا بہت تھا۔“

گاڑا نے کہا۔ ”تو اب بتائیے کہ میں اپنی بوٹیاں نوچوں یا سر پھڑوں یا مسافروں میں سے پکار کر کہیں لے گیا۔“ دونوں باتیں مناسب تھیں۔

اور پلیٹ قائم پر ایک ایسا عقیدہ بلند ہوا کہ گاڑا صاحب مارے فصر کے اور بھی تھکے مگر وہ تو کہنے کی دقت بیکری صاحب ڈاکٹر کا گھر میں کھتی اپنی جگہ سے اٹھ کر غرض تھوٹتے تھوٹتے تھے کہ گاڑا صاحب کا کہنا ہے۔ ان کو دیکھتے ہی گاڑا نے اپنی طرف ڈرائیور نے اپنی طرف مسافروں نے اپنی طرف اور اسٹیشن ماسٹر عالمگیر نے اپنی طرف ان کو کھینچنے شروع کیا۔ سب اپنی اپنی کبڑے تھے اور ان کی کوئی نہ سنا تھا آخر غریبوں نے ہاتھ جوڑ کر آواز بلند کیا۔ ”شافقی شافقی“ میں کہیں مشکل تمام لوگ چپ ہو گئے اور انہوں نے نہ کہا شروع کیا۔

”ہاں بھائی! آج ہمارے راج کا پہلا دن ہے ہم کو کھینچنے کے بعد راج کرنا آگے۔ ہم بھائی کرتے کرتے راج کرنا بھول گئے ہیں۔ ابھی تو ایسی غلطیاں قدم قدم پر ہوں گی اور آپ ان کو برداشت کریں گے آپ اس بڑا اتفاق پر ہنسنے نہیں۔ بلکہ سب مل کر اور اس کو اپنا کام سمجھ کر غلطیوں کو دور کرنے کے لیے کوشش کیجئے۔ یہ ٹرین کانپور کے بھائے اگر ادھر آگئی تو کیا حق ہوا۔ ابھی واپس ہو کر پھر کانپور واپس دیا ہوا ہے۔ گی۔ جو کہ ہوا وہ تو اب ہو ہی چکا۔ کوشش کیجئے کہ آگے دھکیلا جائے۔“

اسٹیشن ماسٹر عالمگیر نے کہا۔ ”مہاشی اب آپ آگے آگے تو اس اسٹیشن سے بھی جو ساریاں کانپور جانے والی ہوں ان کو لے لیجئے۔“

نیکر بڑی صاحب نے گاڑا صاحب کی طرف بطور مشورہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں تو کوئی حق نہیں ہے۔“ گاڑا نے کہا۔ ”جوا چھا ہو۔“

نیکر بڑی صاحب نے اسٹیشن ماسٹر عالمگیر سے کہا۔ ”مگر ڈرائیور دیکھتے۔“

اسٹیشن ماسٹر نے اطمینان دلانے کے لیے کہا۔ ”ابھی لیجئے مہاراج! میں ابھی بتی میں ڈی چڑا دے جاؤں گا اتفاق سے کانپور جانے والی گاڑی آگئی ہے اگر کوئی جاتا چاہے تو فوراً اسٹیشن پر پہنچے۔“

یہ کہہ کر وہ تو ڈی پٹا لانے چلے گئے اور ہم نے اپنے شریک سفر کے شانہ پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”آئیے تو پھر باتش کی کیجیے۔“

شریک سفر نے غصی سانس بھر کر کہا۔ ”میری رائے میں اس وقت اگر ہم لوگوں کو کہیں سے اطمینان مل جائے تو یہ مشکل نہایت مناسب ہوگا اس سڑکی یہ صورتیں زندہ نہ چھوڑیں گی۔“

ہم نے کہا۔ ”بہر حال کانپور پہنچنے سے تو صبر کی کیجئے۔ اب سوال یہ ہے کہ لکھنؤ پیدل چلنے یا کیکہ وغیرہ کیا جائے یا ای

ٹرین پر تحریف لے چلے گا۔

شریک سڑنے لگا۔ "جو بھی چاہے کچھ میرا باغ اس وقت بالکل بے کار ہو رہا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "اس سڑ کا ایک عادی کچھ کر لیں گے کہ شیش کا گھر میں کیا چارہ ہے اور صبر کی کوشش کیجئے۔"

شریک سڑنے لگا۔ "آپ کو دل لگی ہو سوری ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ دم کاٹا جا رہا ہے اس خیال سے کہ اگر میں آج نہ کچھ کا کچھ نہ تو کیا سڑ ہوگا۔"

ہم نے کہا۔ "میں بھی بالکل یہی سوچ رہا تھا کہ اس قسم کے ساتھ کہ کچھ نہ کچھ کچھ کیا سڑ ہوگا۔"

شریک سڑنے لگا۔ "اے صاب جب تک چل کر ان عقل کے بل ڈرائیور صاحب سے یہ کہنا چاہئے کہ اپنا انجن اور سرے بنا کر اب لکھنؤ کی طرف ٹرین میں گاؤں سے کہ جب مسافرا جا گئے تو یہ مرحلہ باقی نہ رہے۔ بس گاڑی فوراً چھوڑ دی جائے۔"

ہم نے اس رائے سے اتفاق کیا اور چلنے ہوئے انجن کے قریب کھینچے گئے مگر وہاں ڈرائیور صاحب کا پچھلی نہ تھا۔ کوئی غارت زمین بیٹھنے لگا رہا ہے۔ ہم لوگوں نے ان سے کہا تو انہوں نے کہا نہات لا رہا ہے اسے جواب دیا کہ "جلدی ہی کیا ہے یہ تو دو منٹ کا کام ہے مگر سواریاں ملتا آسان کام نہیں ہے کون ایسا ملے گا جو تم کا سٹر تیار بیٹھا ہو اور ڈی کی آواز سنتی ہی چلا آئے۔"

ہم نے کہا۔ "مگر کیا ہوگا۔"

کوئی ٹرین نے کہا۔ "ہو گا کیا تو کوئی دیر تک مارا جائے گا۔"

شریک سڑنے لگا۔ "مگر اب کیا کریں۔"

کوئی ٹرین نے برجستہ کہا۔ "آجے سڑ چینی۔"

ہمارے شریک سڑ صاحب کی طبیعت خوش ہو گئی اس جواب پر مگر بھابھہ تو یہ معلوم ہوا کہ حق کے چہانے آپ بل کر رہ گئے ہو کوئی غارت زمین کی طرف بھلا کر کھانا راضی اپنا سڑ بدل کر ہم سے ہو گئے۔

"آجے صاحب جب تک چل کر خسل فانی ہو جائیں۔"

ہم نے قلعہ خسل فانی پر فک کر کے ہوئے کہا۔ "خسل فانی سے نہا آپ کا مقصد کچھ اور ہے۔"

شریک سڑنے لگا کہ کہ۔ "ٹی بی بات ہے یہ ہے کہ مجھ کو بیت اللہ اور میرہ سے زیادہ یہ قلعہ پسند ہے۔"

ہم نے کہا۔ "اچھا تو چلنے مگر بلے کا یہ خاص حکم ہے کہ جب تک ٹرین اسٹیشن پر کھڑی رہے کوئی کوئی صاحب استعمال نہ

کرے۔"

شریک سڑنے لگا۔ "تو کیا یہ حکم ایسی ٹرین کے لیے بھی ہے جس کے چلنے کے متعلق روایات میں شدید اختلاف ہو۔ بہر حال میں اس کے لیے تیار ہوں کہ ٹرین چلنے کا انتھا کر لوں۔ اس لیے کہ یہ ضرورت فوری اور اشد ضروری نہیں ہے۔"

شریک سڑ کے اس ارادہ کو سختی کرانے کے بعد ہم دونوں نے پلیٹ فارم پر کھانا شروع کر دیا گو یا پنا سٹون ٹرین کو کھٹک کا دس دینے لگے دیر تک چلے رہے مگر ایک جگہ بیٹھ کر دونوں نے اگھٹنا شروع کیا۔ پھر اس فٹل سے بھی دل بھر گیا اور ہم دونوں اپنی اپنی جگہ پر گھٹانے لگے۔ مختصر یہ کہ اس طرح تقریباً دو گھنٹہ کا وقت صرف کیا اور خدا کر کے وہ وقت آ گیا کہ اسٹیشن ماسٹر صاحب عالم گریوٹ میں کھڑا اس کی بجائے ٹیل اور کھٹکے جسم پر کھڑا کہتا ہے ہوتے منٹ میں دونوں کے چہانے بخیریت لے آئے اور آپ کو کچھتے ہی تمام مسافروں نے جو اوجھرا ہر مشتھر سے آپ کو گھیر لیا تاکہ آپ سب کی نقدیر کا فیصلہ سنا دیں۔ مگر آپ نے تیکراری صاحب ڈان کا گھر میں کھلی کاٹھ لکھ کر تے ہوئے کہا۔

"مہاراجا اب تو کوئی اسپر مسافروں کی ہے جس۔ دو مرتبہ ڈی پٹ بھی ہے مگر اب تک کوئی مسافر نہیں آیا مگر اب کیا کرنا چاہئے۔"

مسافروں نے یہ سن کر قتل چھٹنا شروع کیا کہ۔ "ہم کو لکھنؤ واپس پہنچا دیا جائے ہم کان پور جانے سے باز آئے اور کان پکڑے بیٹھ کے لیے اس دہل کے سڑے۔"

تیکراری صاحب ڈان کا گھر میں کھلی نے ہاتھ جوڑ کر جمع کوٹھ لکھ لیا۔

"بھائی! اگر تم نے اس پہلے ہی امتحان میں بہت بار دی اور خود اپنے راج اور اپنے انتظام کی اس طرح شکایت کی تو یہ سواریاں کا سبب نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک بہت چھوٹی سی بات ہے اور ڈرائیو فٹلی ہو گئی ہے ابھی تو آپ کو اپنے دیش کا انتظام سنبھالنے کے لیے بہت بڑی بڑی قلیوں اور سخت دشواریوں کے لیے تیار ہونا چاہئے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں آپ کو اس وقت ٹرین کے چھوڑنے کی طرف سے واپس کر رہا ہوں بلکہ میں تو آپ کو ایک بات بتا رہا ہوں۔ گاڑی تو تیار نہیں چھوڑی جاتی ہے مگر آپ سے یہ باتیں گروہ میں باندھ لیں جو میں نے کی ہیں اور خوب سمجھ لیں کہ ایک ملک کا انتظام کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

یہ بھڑا میٹر کھڑے کرنے کے بعد آپ نے گاڑی سے کہا کہ گاڑی چھوڑ دینے چاہئے مگر ہم مسافر اپنی اپنی جگہ پر کھینچے گئے اور ڈرائیور نے انجن میں بیٹھ کر اس کو سسٹنا شروع کیا تاکہ انجن کو ٹرین سے علیحدہ کر کے لکھنؤ کی طرف لاکر لگا دیا جائے مگر خدا جانے کیوں

ہم نے کہا: ”تو پھر کیوں نہیں آیا۔“

شریک سڑنے لگا۔ ”پانی ہے ہی نہیں صرف گل لگا ہوا ہے۔“

ہم نے کہا۔ ”مگر زین تو چل رہی ہے۔“

شریک سفر نے کہا: "اے صاحب کون سی چیز چل رہی ہے کہیں پانی نظر نہ آئے اور کالے لہجے۔"

ہم نے لوہا ہاتھ میں لے لیا اور رکھڑی سے جھانک کر پانی دھو جانے لگے۔ اتفاق سے ریل کی بڑی کڑبڑ ایک کنویں پر کچھ گھومیں پانی بھر دی جس میں۔ لہذا ہم نے فوراً اس جگہ پہنچی ہوئی ٹرین سے اتر کر کنویں کی طرف ایک جست کی اور دو ڈاکرں مرنہاتوں کے پاس پہنچے ان سے نوے میں پانی لیا اور اب جو حکم کر رکھتے تھے تو ٹرین کو کئی نصف فرلانگ آگے سے نکل بھی جاتی تھی۔ لہذا ہم دوڑے اس طرف اور نہایت آسانی کے ساتھ ٹرین کو پکڑ لیا اور اپنے اوپ میں کھینچی کر اپنے شریک سڑک لوہا دوڑے دیا جنہوں نے نہایت سچے دل سے ہمارا ٹکڑے کو پکڑ بیٹھے یہ بیٹھے ادا کیا۔ ہمارے شریک سڑک کے نکلنے کے بعد ہی ٹرین گھنٹہ انٹیشن کے احاطہ میں کھینچی گئی اور چند منٹ میں ہم دنیا کے گول ہونے کا ثبوت نے کراہی گئے تھے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

چند گھنٹہ تک ہی چلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے کرین کے چٹائی کی دھماکے دیا۔ وہ سب تھے چٹا چٹا دھکے فرمائیے کے جاری دھماکے
 کسی قول ہوئیں کہ کرین بھی چلی تھم نے بھی سڑک اور پھر
 "بھلاست رہی باز آئی"

کے دعائے مصروف کی تفسیر ہے ہونے نہ ہر جہاں سے چلے تھے وہیں آ گئے۔ اب سوال یہ تھا کہ ہم کیا کریں یعنی ہاؤز و مقام خوش الحانہ میں کہ اپنا سلسلہ جاری رکھیں یا "خیر سے بد معروض آئے" کی بھٹی کے جھگڑے سے ہونے کو چلے جائیں۔ ہم نے اس سوال پر بار بار غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ ہم کو گھر چلنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ کان ہر سال کام بعد ہر ضروری تھا لیکن اس کا اپنا طلاق کی جہیزوں پر مجبور کرنے سے ہم کو قاصر ہے۔ تو بالکل ایسی ہی مجبوری تھی کہ فرض کر لیجئے کہ ہم جاتے تو کیا کرتے۔ بالکل ایسی طرح ان گہنی طور پر سواری کے کل جانے سے سڑکوں پر ہو گیا تھا اور یہ ہمارے لیے نقصان پہنچا تھا کہ ہم وقت مقررہ پر کان پر پہنچ جاتے۔ لہذا ہم نے اپنا سامان ۱۲۱۱ اور تمام سامان ایک ہی طرح میں مارے جوش کے ساتھ اوپر لا دیا اور جانے کے لیے دروازے پر پہنچے تو جہاں ایک ماشاء اللہ کسی کو دیا جانے کی اجازت نہ تھی خواہ وہ ٹکٹ دکھائے یا نہ ہی جانا چاہے۔ وہ دین کا گھر لگی اور اظہر راستہ سے کوئلے سے آدھ سوافر ان کا ایک جمع تھا جو بار بار جانے کی ہم کو ششیں کر رہا تھا اور درمنا

اس نے انجی جو چھوڑا تو ہماری فرین اس کے ساتھ چلی اور ہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ کیس اب پھر قطعی سے فرین یہاں سے لکھنؤ کے ہرودنی دھیر تو نہیں بچھگی جا رہی ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میں اسی وقت کا راضا صاحب نے غل جہاں شروع کر دیا کہ "اے انجی کھو انھیں گیا ہے۔ روکو گاڑی روکو۔"

ڈرامیجر نے فوراً مزین دمک کر اچھی کوئزین سے ملکر دیا مگر اب ایک اور مصیبت چڑھ گئی کہ راکا پہ ہونا چاہئے سب سے پہلے۔ جیسے کہ اب تک تمام صحرا جہاں انتظام کے مقصد و اچھی کے بعد سب سے آگے ہوا چار فاقہ یہ ممکن تھا کہ اچھی کوئز کر راکا کا ہزار ہا راکا جاتا تھا اور پھر اچھی اور راکا جاتا تھا جس طرح اس عمل کے لیے کوئز کا ایک نقطہ اور ہزار ہا کوئزین لکھتے تھے۔ کئی۔ کئی ایسے ایسے سوال کوئز لکھانے کے لیے ڈرامیجر اور راکا دونوں ٹیکر دیا صاحب ناؤں کا گھر میں کھینچی کے پاس پہنچے اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا گیا انہوں نے پہلے تو تنبیہ کی کہ اس مسئلہ پر فوراً کہاں سے بعد کیا۔

”میرے خیال میں تو مسافر اس پر رازدانا نہیں لے گا۔ کارڈ کا پمپجوری کی وجہ سے آگے رہے۔ یہ ہے اور بی ضرور ہے کہ کارڈ کا پمپجوری سب کچھ کرتی ہے۔ آپ کارڈ لے کر آج آگے کی رہنے دیجئے۔“

ذرا عجیب رہے یہ فیصلے سننے کے بعد انجمن کو چھوڑ دیا اور آدھ گھنٹہ کی مسلسل کوشش کے بعد انجمن کو تصویق کی جانب توجہ میں لایا گیا اور کارڈز نے جیمنڈی دکھا کر کرسی تہا دی اور فرین ٹرانسٹن خراماں روانہ ہوئی۔ احرار فرین روانہ ہوئی اور احرار ہمارے شریک سفر تھے جنہوں نے اپنے "مجلس غائبہ" کا رخ کیا۔

[illegible]

ہم نے کہا۔ ”کیا آپ خالی لوٹے کر عہدے لے گئے تھے۔“

انہوں نے اندر ہی سے کہا۔ ”ہاں بھائی سوچا تھا کہ اس کے گل سے پانی لے لیں گے۔“

کار برابر روک رہے تھے۔ آخر ہم نے آگے بڑھ کر ان سے پوچھا۔

”کیوں بھی کیا ہے آخر کیوں روکتے ہو؟“

ایک رضا کار نے کہا۔ ”آپ کے پاس کٹ ہے۔“

ہم نے کہا۔ ”ہاں یہ کان چر کا کٹ ہے؟“

رضا کار نے کہا۔ ”بس تو اس سے آپ کان چری کے اسٹیشن پر اتر سکتے ہیں۔“

ہم نے کہا۔ ”یہ کیوں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”اس لیے کہ یہ کان چر کا ہے لکھنؤ کا نہیں۔“

ہم نے کہا۔ ”مگر ہم نے یہ کٹ کبھی سے تو خریدا ہے۔“

اس نے کہا۔ ”ہاں باپو کی خرید تو ہے مگر جانے کے لیے آنے کے لیے نہیں۔“

ہم نے کہا۔ ”بھائی ابھی تو ہم کبھی گئے ہیں نہ کبھی سے آئے بلکہ اپنا سفر ختم ہی کر رہے ہیں۔“

والیہ نے کہا۔ ”اسی لیے تو ہم آپ کو روک رہے ہیں۔“

ہم نے کہا۔ ”یہ کیا بات؟“

رضا کار نے کہا۔ ”صاحب بات یہ ہے کہ آپ کو کچھ تکلیف پہنچی ہے اسی لیے آپ سفر ختم کر رہے ہیں۔ لہذا اگر آپ باہر

چلے گئے تو سب سے حکایت کریں گے اور اس حکایت کا اثر پبلک پر پڑے گا۔ لہذا آپ نے جہاں اتنی سمیت اٹھائی ہے

وہاں یہ کرنا اور کچھ کتب کا چرکا بازی میں بندھا ہے۔ وہ بس اب یہ بھی کا پھر جانے کی اب ذرا بھی دیر نہ ہوگی۔“

ہم نے کہا۔ ”شیراب ہمارا جاتا تو ہائیکن ہے لہذا اس کا وہ نہ کر سکتے کہ اگر تم ہم کو چھوڑ دو تو ہم کسی سے اس بات کا انکشاف اور

”سو دینی کس گھر“ کی حکایت نہ کر سکیں گے۔“

والیہ نے ہاتھ جوڑ کر ہمیں شکایت لگائے ہوئے کہا۔ ”باپو کی ہم مجبور ہیں آپ اسٹیشن ماسٹر سے کہنے یا ٹیکر ٹری صاحب ڈاؤن

کا گھر میں کبھی سے کہیں نہ آپ کو اجازت دے سکتے ہیں۔“

ہم بالآخر پڑ جتے ہوئے ان پتیلوں کے پاس سے چلے آئے اور سیدھے اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں گئے جہاں اسٹیشن

ٹیکر ٹری صاحب ڈاؤن کا گھر میں کبھی سے بیٹھے ہوئے اس ٹرین کے حلق کوئی اہم مشورہ کر رہے تھے ہم کو کہہ دیتے تھے وہوں صاحبان

خاموش ہو گئے اور اسٹیشن ماسٹر صاحب نے فرمایا۔ ”کہنے صاحب کیا حکم ہے۔“

ہم نے کہا۔ ”صاحب آپ کا والیہ ہم کو باہر نکلنے سے روکتے ہیں اور ہم کو چونکہ اب جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی

ہے لہذا حکم مگر وہاں جانا چاہتے ہیں۔“

اسٹیشن ماسٹر صاحب نے مسکرا کر ایک ادا نے والیہ کی ساتھ فرمایا۔ ”بات یہ ہے کہ مسٹر صاحب والیہ کو بھی حکم دیا گیا ہے اور

ہم آپ سے بھی بھیگیں گے کہ آپ چر کا کے باہر نہ جائیں بلکہ ٹرین میں بیٹھیں یہ آپ کا قوی کام ہے قوم کے لیے آپ نے

بیٹوں میں برسوں اور مہینوں قیدی کی زندگی بسر کی ہے۔ آج اپنی قوم کے قیدی بن جائیں مگر باہر جانے کا ارادہ ہی دل میں نہ

لائے۔“

ہم نے کہا۔ ”ہم آپ کے لیے عہد ممتون ہوں گے اگر آپ ہم کو باہر جانے کی اجازت دے دیں۔“

اسٹیشن ماسٹر صاحب نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”ہم آپ سے بھئی کرتے ہیں کہ اس وقت آپ باہر نہ جائیں بلکہ اگر کوئی کام نہ ملے اور

تو سو کاموں کا ہرنگ کر کے کان پر چلے جائیں آپ کے باہر نکلنے سے ہماری بڑی بدنامی ہوگی۔ ہم نے کئے کیا ہے کہ کسی ایک

آوی کو بھی باہر نہ نکلے دیں گے نہیں تو آج نئے انتظام کی وجہ سے جو غلطیاں پیدا ہوئی ہیں وہ سب مشہور ہو جائیں گی اور اس سے ہم

کو کٹ نقصان پہنچے گا آپ کو کر پا کر کے خود بھی بیٹھیں ٹرین میں اور ورسوں کو بھی بکھا دیں۔“

یہ کہہ کر اسٹیشن ماسٹر نے کچھ اس اتھا بھری نظر سے ہم کو دیکھا کہ مجبور ہو گئے اور یہ کئے کہ ان کے پاس سے واپس چلے

آئے کہ جو کچھ بھی جواب تو جانا ہی پڑے گا کان پڑ کر اسٹیشن ماسٹر صاحب کے کمرے سے جو باہر نکلے تو باہر کے دروازہ پر ایک

محبوب بنگلہ برپا تھا۔ باہر نکلنے کی کوشش کرنے والے مسافر ایک طرف صاف آ رہے تھے اور اسٹیشن کا ملازمین کا گھر بھی رضا کار اور دوسری

طرف چھا چکا کہ وہ کہے ہوئے اس انداز سے کھڑے تھے کہ گویا کھینک کر رہے ہیں۔ اس طرف سے اس بات پر زور دیا جا رہا تھا

کہ چھانک مکمل جائے اور رضا کاروں کی طرف سے ہاتھ جوڑ کر خوشامد میں ہو رہی ہیں کہ آپ لوگ ٹرین میں بیٹھیں یہاں تک کہ

دو لوگ بھی باہر نکلنے نہ پاتے تھے جہاں ٹرین پر سوار نہ تھے۔ گویا کبھی تو یہ اسٹیشن کھولنے آئے تھے۔ یاد لوگ جو عام گھر کے

اسٹیشن سے محض اس لیے سوار ہو گئے تھے کہ لکھنؤ تک چلے جائیں گے۔ ایک عجیب محفل کا سلسلہ جاری تھا۔ مسافر اس ٹرین کے ستر

کی صفوں میں سے ٹھکڑے کر جان پر کھینچے ہوئے تھے کہ ضرور باہر نکل جائیں گے اور والیہ اپنے اسٹیشن والے کمرے سے مجبور تھے کہ

کسی ایک کو بھی باہر نہ نکلے دیں نتیجہ اس نکلتا تھا کہ رضا کاروں نے واقعی کھینک شروع کر دی تھی اور مسافر ان کی طرف سے

آپ پر کوئی زبانی کریں آپ دیکھ لیجئے کہ ہماری حکومت میں کہیں پولیس کا نام بھی نہیں ہے۔ پہلے اگر آپ اس قدر مدد کرتے تو پولیس سے آپ کو دھمکا جاتا۔ مگر آپ یہ کانگریس کے والی تھے پہلے پولیس کے ڈپٹی سے تھے اب ان کے خوشامد سے بڑے ہوئے ہاتھ ہیں۔ پہلے سڑک پر آکر آپ کو پیچھے دھکیلا جاتا تھا اب یہ والی زمین پر لینے ہوئے ہیں کہ اگر جاتے ہو تو ہم کو کھل کر چاؤ کیا اس کے باوجود آپ کی ضد بدستور قائم رہے گی حالانکہ آپ کی یہ ضد سوائے اس کے کہ اپنے ساتھ ہو اور کسی کے ساتھ نہیں ہے۔ "میں جمع میں ایک شخص نے کہا" اچھا صاحب تو کوئلہ منگوانے میں اب کیا کر رہے۔"

سیکرٹری صاحب نے کہا۔ "کوئلہ آج ہی ہے اس آپ چل کر بیٹھے چھانک چھوڑ دیئے والیہ اور کوئلہ منگوانے دیکھتے تو کھوکھلا زمین اور کوئلہ لے لے لے۔"

اب لوگوں نے وہاں سے منتشر ہوئے شروع کر دیا اس لیے کہ بہت سے لوگ سیکرٹری صاحب کی تقریر سے حیرت ہوئے تھے بہت سے باہر لپکی کو خوش سے لاپس ہو چکے تھے۔ اور بہت سے اس خیال سے بہت گئے تھے کہ کانگریس کے لیے باہر بھیج دیا گیا اور ادھر یہ کوشش شروع ہو گئی کہ مسافر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا ایک مسافر کو کھینچ کر لایا جاتا تھا تو چار بار آ جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ جب کارڈ صاحب اور اسٹیشن مسٹر صاحب اس کوشش میں پریشان ہو گئے تو سیکرٹری صاحب ڈاکٹر کانگریس کمیٹی جس وقت ملحق کل سنبھلے ہوئے تھے۔ طلب کئے گئے اور آپ نے یہ مشورہ دیا کہ کریں کہ ہر ڈپٹی میں سے ایک ایک مسافر کو منتخب کر کے اس کو ایک کھانا پانا دیا جائے ڈپٹی کے باہر لپکے ہوئے مسافروں کو بخانا دے اور بیٹھے ہوئے مسافروں کو باہر نکلنے دیں۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل شروع کیا گیا اور سب سے پہلے زیادہ کامیابی ہوئی لیکن اب بھی پلیٹ فارم پر مسافروں کی کمی نہ تھی جن کو بخانا کی ضرورت تھی اور یہی تھی کہ ابھی میں نہ تھا کہ فرسٹ کلاس مسافر بیٹھے جاتے ہیں تو یہ مسئلہ دالے مسافر کہاں سے آتے ہیں معلوم نہ ہوتا تھا کہ پلیٹ فارم سے مسافر اہل رہے۔ یہاں تک کہ وہی کوشش میں آتی رہی کہ کھوکھلا زمین کوئلہ لے کر واپس آ گیا اور اس نے انجمن میں کوئلہ ڈال کر انجمن کو کھینچ کر سست سے ہٹا کر کان پوری طرف لاکر دکھایا۔ اب صرف اس بات کی دیر تھی کہ مسافر چھ جائیں تو کریں چھوڑ دی جائے آخر کار بمشکل تمام اس کوشش میں کامیابی حاصل کی گئی اور اسٹیشن مسٹر صاحب نے غور

اپنے اچھے ساتھ سے چھٹا چار کو گواہین کو جانے کی اجازت دے دی۔ کارڈ صاحب نے بھی اس خیال سے کہ شاید کارڈ انجمن اور شروع میں بیٹھ کر آواز نہ دے اور گھبراہٹ میں چھوڑ دیئے ہوں کہ ہر رنگ کو مرغ نہ بھولے اور ڈاکٹر انجمن کے پاس جا کر سیل بھادی اور فوراً بہر میں بیٹھ کر آواز نہ دے اور گھبراہٹ میں چھوڑ دیئے ہوں کہ ہر رنگ کو مرغ نہ بھولے اور ڈاکٹر انجمن کے پاس جا کر سیل بھادی اور فوراً بہر

خدا میں بخدا پیسہ ہو چاقا۔ یعنی ایک آدمی کو سے دل سفر کرنے ایک آدمی کا کوئلہ کھیل کر باہر نکل جانے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی اور باقی رضا کار بھی اسی طریقہ میں جتا کھڑے تھے اور ایک ایک کے ہاتھ جڑ رہے تھے۔ اور مسافروں کا مجمع اس کا مختصر کھڑا تھا کہ ایک مسافر بھی باہر نکلتا تو وہ تھوڑے عرصے کے باہر نکل جائیں۔ آخر کار جب ہمارے رضا کاروں پر مسافروں کی طرف سے تھوڑا شروع ہو گیا تو وہ فوراً کچے بعد دنگر سے لیٹ گئے اور مسافروں سے کہہ دیا کہ ہم کو روکو مرکز کچل کر پاؤں کر کے اگر باہر نکلتا چاہو تو چاؤ چاؤ۔ جب تھوڑے عرصے میں یہاں طول کھینچا تو اسٹیشن مسٹر صاحب اور سیکرٹری صاحب ڈاکٹر کانگریس کمیٹی کو بھی موقع پر آتا پڑا اور ان کے ساتھ اسٹیشن کے دیگر افسران بھی آئے موجود ہوئے یعنی کارڈ صاحب اور انجمن صاحب کھوکھلا زمین وغیرہ ان لوگوں نے آتی آتی اپنی اپنی زبان میں مسافروں کو کہنا شروع کر دیا اور مسافروں سے بھی لڑنے مرنے کو چار ہو گئے۔ آخر سیکرٹری صاحب ڈاکٹر کانگریس کمیٹی نے انکو آڑی آفس کی کھڑکی پر کھڑے ہو کر مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے دوستو! آپ سے میں اس وقت صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ نے جہاں اپنی تکلیف اٹھائی ہے وہی کسی کی تکلیف اٹھا کر کرنا چاہئے کہ جس کو وہاں دیکھتے ہیں اس کے بعد آپ کا جہاں چاہے کچھ کہیں۔ میں آپ سے صرف یہ کہتا ہوں کہ اس وقت آپ کا اس سطر کو کھینچ کر تھوڑا بڑی بڑی جہاں ہے۔ ہماری جہاں ہی آپ کی جہاں ہی اور وہی کی جہاں ہی ہے۔ دیکھنا اس پر ہنسی کہ سوراخ لینے کو تو لے لیا مگر اب سنبھلے بیٹھ جانا آپ اس جہاں سے اپنے کو ہم کو روکا دے دیکھ لو کچھ غیروں کو بٹھنے کا موقع نہ دیکھتے۔ ہم نے اس کا انتظام کر دیا ہے کہ اب آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی بلکہ یہ لڑیں اب یہی سیدھی کان چار جانے گی اور غلطیاں اب تک ہو چکی ہیں۔ وہ اب نہیں کی صرف اتنا انتظام اور کچھ کر دیا کہ کوئلہ آجائے اور اس لیے کہ کوئلہ قلم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو نہایت آسانی کے ساتھ کارڈ بٹھایا جائے گا چاہے وہاں سے بھڑک آپ لڑیں یہ وہاں آ جائیں آپ سے وہاں کا کارڈ بھی لے لیا جائے گا۔"

مجمع میں ایک شخص نے کہا۔ "مگر صاحب ہم کو اب جانے کی ضرورت نہیں" سیکرٹری صاحب ڈاکٹر کانگریس کمیٹی نے نہایت خوشامد سے کہا۔ "شری میں بھی تو کہہ رہا ہوں کہ آپ اس وقت بغیر ضرورت کے بھی اس سطر پر جائیں اور سو کاموں کا بہرہ کر کے چاہیں۔"

ایک اور آدمی "اور اگر ہم اسے باوجود نہ چاہتا ہیں تو۔"

سیکرٹری صاحب ڈاکٹر کانگریس نے کہا۔ "تو ہم آپ کے ہاتھ جڑ رہے گے گواہیں بھی لے لیں گے آپ سے کوئی زبردستی کئے نہیں اس لیے کہ سوراخ ضرور ہم کو ملا ہے مگر جس طرح ہم کو ملا ہے اسی طرح آپ کو بھی ملا ہے ہم کو اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ ہم

ہوتے ہوئے کہا۔ ”ڈراما کچھ لکھتے صاحب ان کی باتیں میں نے نوکری کی ہے کوئی عزت نہیں بنتی ہے۔ یہ جب سے برابر اکڑ رہے ہیں اور انھیں دکھ رہے ہیں مجھ کو شاید ابھی چپ نہ چکے ہوں مگر اب میں بھی ان کا دماغ ٹھیک کے دیتا ہوں بڑے مرد کے بچے ہیں تو آجائیں میدان میں یا بجی نہیں آجائیں میں نہیں۔“

یہ کہہ کر ڈراما نے اپنی دھوکے کی سرکہ ہانڈی اور آستینیں چڑھا کر آگے بڑھنے سی ڈراما کو بیکر فری صاحب ڈاؤن کا ٹکڑا کر سکتی تھے آگے بڑھ کر کہا۔ ”شانست رہو آفرقہ کیا ہے۔ ہم سے تباہ بات کیا ہے؟“

ادھر اسٹیشن ماسٹر صاحب نے اپنی نیر ویکپ اتار کر دکھار دی بڑی میز پر رکھ کر شیر کی طرح گر جتے اور گھوڑے کی طرح منہ سے لیکن نکلتے ہوئے کہا۔ ”آؤ ادھر آؤ۔ میں آج تم کو کھانا کھاؤں بڑا ڈاؤن سے ڈراما کچھ بن کر ملے جاتے جاتے فرین چلانے لگا ہے۔ تو دماغ ہی خراب ہو گیا ابھی دماغ تیرا ٹھیک کئے دیتا ہوں تو ہے کس دھوکے میں۔“

اسٹیشن ماسٹر صاحب کو گاڑا صاحب نے لپک کر دکھا اور ڈراما نے بیکر فری صاحب ڈاؤن کا ٹکڑا کر سکتی اس طرح بکڑے ہوئے تھے کہ وہ بار بار اٹھ رہا تھا۔ کھانا نہیں کھا رہا تھا کہ کبھی تو اپنا منہ دیکھ لے ہوئے ان کو کھانے کے لیے دواڑے تھے کبھی ان کو کھانے تھے مگر بات کچھ ایسی بڑھ چکی تھی کہ یہ دونوں سوائے باہمی تو کھار کے اور کسی کی کچھ نہ سنتے تھے آخر بیکر فری صاحب ڈاؤن کا ٹکڑا کر سکتی نے دونوں کے آگے ہاتھ جوڑے اور بالکل قرام دونوں کو چکا کر چپ کیا پھر ڈراما نے سے چھ لپکا کر ”آخر بات کیا ہے؟“ ڈراما نے نے فطرتیں پانچے ہوئے کہا۔

”صاحب بات کیا ہے بات یہ ہے کہ آپ کے یہاں نوکری کی بس سے عزت نہیں بنتی اور اگر کوئی یہ کہے کہ عزت بنتی ہے تو ہم خود اس کی عزت اتارنے کو کافی تھا۔“

اسٹیشن ماسٹر نے پھر میاں تڑا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”چھوڑ دیجئے مجھ کو اس عزت دار کی عزت اسی وقت دیکھ لیتا ہوں۔“

بیکر فری صاحب ڈاؤن کا ٹکڑا کر سکتی نے پھر بڑھ کر ان کی نگاہ لی اور ان سے پوچھا کہ ”آخر آپ سی کچھ بتائے کہ ہوا کیا۔“ اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔ ”صاحب ہاں یہ کان پھر سے ادھی ہے مال گاڑی میں نے یہ سوچا کہ مال گاڑی کو کیا توکان پھر کی طرف واپس کروں ورنہ جب وہ ہانے تو اس کو دوسری لائن پر لگا کر فرین کو کھینک دوں گا تاکہ یہ لے جانے نہ پائے۔ مگر آپ کو کچھ کہنے آپ نے نہ مشکل کا انکھار کیا نہ کچھ اور گاڑی لے چلے آئے۔ اگر فرین لہا جاتی تو گردن ادھاری ماری جاتی اب جو ان سے کہا تو گئے

ہوئی کہ وجہ سے فرین الٹ جائے یا خدا جانے کیا واقعہ چل آئے۔ ان سب باتوں کی ذمہ داری اسٹیشن ماسٹر پر ہوتی ہے۔ وہی ذمہ دار ہوتا ہے اور اسی سے جواب طلب کیا جاتا ہے۔ لہذا آئندہ سے ایسا بہتر نہ کرنا ٹھیک تو سمجھتی آجائے گی۔“

ڈراما نے اس شخص کی طرف توجہ ہو کر کہا۔ ”آپ بھی ان ہی کی باتیں کہنے لگے ڈراما خدا لگتی کہنے لگا کہ چرب انہوں نے فرین کو آٹا ہوا دیکھا تو کھینک لیں نہیں دکھایا اس وقت پلٹ فارم پر سوائے اس فرین کے اور کوئی فرین گاڑی کھڑی تھی یا اور کوئی سی رکاوٹ تھی کہ آپ نے کھینک نہیں دکھایا کیونکہ وہی سی گاڑی کو دیر ہو گئی ہے دوسرے آپ ہیں کہ الگ سی ہے دھوکے میں رہا ہے تھا۔“

اسٹیشن ماسٹر نے آگے بڑھ کر ٹھکڑی تکی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ”تم دھوکے ہو تو دھوکے ہی کسی تم کو دیر ہو گئی تھی تو ادھاری داسے مگر تم بغیر میری اجازت کے ایک قدم بھی پلٹ فارم پر یا کھینک کے اور نہیں لکھتے تم کو کس خیال میں۔“

ڈراما نے اسٹیشن ماسٹر کو ڈھکڑوہ شیر کی طرح گھورتے ہوئے کہا۔ ”خاندان آپ تو گرم ہی ہوئے جاتے ہیں میں کہتا ہوں کہ آپ نے آخر کھینک لیں نہیں دکھایا۔“

اسٹیشن ماسٹر ”جی نہیں دکھایا ہم نے پھر آپ کو کون؟“

ڈراما نے ”تو ہم بھی گاڑی لے آئے پھر آپ کو کون؟“

اسٹیشن ماسٹر ”بتاؤں تم کو کس میں ہوں؟“

ڈراما نے ”ابھی چائو اپنا کام کرو تم کیا بتاؤ گے ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔“

اسٹیشن ماسٹر نے ”کہہ۔“ اسے میں ابھی تیری ڈراما دہی نکالنے دیتا ہوں۔“

اس وقت مسافروں کا مجمع ان دونوں پائی کے فرسوں کو گھیرے ہوئے کھڑا تھا اور یہ گرم ٹھکڑوں کر گاڑا ساٹا اور بیکر فری صاحب ڈاؤن کا ٹکڑا کر سکتی بھی موقع پر آ موجود ہوئے تھے۔ لہذا ڈراما نے بیکر فری صاحب ڈاؤن کا ٹکڑا کر سکتی کی طرف توجہ

اکڑنے ایک تو غلطی کی ہے اس پر سے زبان لڑائی جاتی ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس کا بغیر کیجئے بوجھے جائیگی بھر لے گئے ہیں۔ یہ لوگ ہم سب کو بدنام کرنے والے ہیں ہم کو لائق ٹھکانے والے اور سوراخ کو بدنام کرانے والے کو ہم پر مسموئے والے ہیں۔

اور ڈرامہ راندے ٹیکری صاحب ڈاؤن کا گھر میں کھینچی سے کہا کہ "آپ کو مسموم ہے کہ کن وقتوں کے بعد لڑیں کہ یہاں تک اس کا ہوں اب بتائیے کہ خدا خدا کر کے جب لڑیں یہاں تک پہنچی تو آپ ہیں کہ سیکل نہیں رکھتے حالانکہ گاڑی کو آتا ہوا دیکھ رہے ہیں اور میں برابر سنی سے رہ رہا ہوں کہ یہ سیکل گرا میں۔ مگر خدا جانے اس میں کون سی شان حق کی سیکل نہیں گرا پاتا۔ فرخجور ہو کر مشربین کو لے گئے ہوں چلا آیا ہوں۔ تو اب آپ چار سے باہر ہونے جاتے ہیں اور اپنے کو خدا جانے کیا بکھڑکھا ہے کہ اکڑے ہی جاتے ہیں سیکڑوں باتیں مجھ کو ڈالیں مجھ کو اگر یہ خیال نہ ہو جاتا کہ ان باتوں میں دیش کی اور سوراخ جیہ کی بدنامی ہے تو کب کا میں نے ان کی چھائی پر چڑھ کر خون لپی لیا ہوتا۔"

ایشٹن ماسٹر نے یہ سنتے ہی گرج کر کہا "اے تو کیا خون چٹا" تو نے اپنی ماں کا دودھ پیا تھا تو آج ایک بڑوں کی طرح دور نہ کھڑا ہوتا۔"

ڈرامہ راندے بھی ٹیکری صاحب ڈاؤن کا گھر میں کھینچی کو ہاتھ مروڑ کر ایک طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہمارے جیری قصہ آج تم کو گھبرا دیا ہے اور نہ گی ہماری ہو رہی ہے تو آج ہا۔"

اور ایشٹن ماسٹر نے گاڑی صاحب کو دھکیل کر ایک جہت کی اور ڈرامہ راندے کے منہ پر دو ہاتھ لگا دیے کہ سافرلوں کے دہم کو محض اس کی آواز سن کر وصول ہو گئے ہوں گے مگر اس کے جواب میں ڈرامہ راندے نے بھی سیکل کر اور ڈرامہ راندے لے گئے ہوں سولہ گھبرا کھینکا ہوا ہاتھ ایشٹن ماسٹر کے رخسار پر رسید کیا کہ سندھ ہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ایشٹن ماسٹر نے اپنی ٹانگوں کے سامنے کاٹھیر اور دو ہونے کے بعد جھٹ کر ڈرامہ راندے کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور ڈرامہ راندے اس عرصہ میں ملی انصاف ایشٹن ماسٹر صاحب کے پاؤں ہونے کا دل پر دست درازی کر چکا تھا اور اب جبکہ اس کا گریبان ایشٹن ماسٹر کی گرفت میں تھا اس نے بھی ایشٹن ماسٹر صاحب کو ہاتھ کر وہ گدھا یا کہ پیٹ فارم پر ڈال کر کسی کیفیت پیدا ہو گئی۔ چلی بچاؤ کرنے والے اپنے کو بچا بچا کر ان دونوں کو ملکہہ کر نے کی کوشش کر رہے تھے مگر تو یہ کیجئے اس جنگ میں ان کو اپنی مصالحت کو کھوش میں موت کا خوف کیا چھو نظر آ رہا تھا۔ اور واقعی کسی کی شامت آئی تھی کہ وہ جیس میں پڑ کر اپنی مرمت کر دیتا اور دونوں کے تصادم میں خود اپنی جان ویتا۔ یہ دونوں باہم گھم گھماتے تھے بھی ایشٹن ماسٹر صاحب زور لگا کر اوپر آ جاتے تھے اور وہ ایک ہاتھ رسید کر دیتے تھے۔ کبھی ڈرامہ راندے کے سینہ پر سوار ہو کر

مارتے مارتے ان کا ہر تانکا دل و جان تھا ٹیکری صاحب ڈاؤن کا گھر میں کھینچی دور کھڑے ہوئے "شاخنی شاخنی" کے نرے نگار ہے تھے گاڑی صاحب ایک ایک کے ہاتھ جوڑتے بکھرتے تھے مسافرلوں کے حال کا خدا کوئی صاحب اس شخنی پر اپنے کسی دوست سے جوا کھیل رہے تھے کہ آؤ دوئی دی گاڑی کا راندہ پھرتے۔ کسی طرح سے آواز آئی تھی کہ چو پڑی ایشٹن ماسٹر بیٹے۔ مگر ان مسافرلوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کو یہ قہر تھی کہ کسی طرح یہ بنگا نہ ختم ہو۔ جملہ ان کے کم اور ہمارے کم سطر بھی تھے جن کو اب کان چر جانے کی تو جلدی نہ تھی اہل بیت جلدی اس بات کی ضرورت تھی کہ کسی طرح یہ سطر جو سر پر سوار ہونے کے بعد اترے کہ نام ہی نہیں لینا کسی طرح جلد ختم ہو اور ہم گھر واپس پہنچ کر شکر نہ لگا دیں۔ ہم دونوں بچے دل سے اس کے لیے بے چین تھے کہ کسی طرح ان دونوں میں مصالحت ہو جائے اور لڑیں آگے بڑھے یا پھر کھینچی واپس چلی جائے۔ بلکہ ہم تو اپنے شریک سطر سے یہ بھی کہا کہ "پہلے یہاں سے پیو لی کھینچی چلیں۔" مگر وہ حضرت کسی طرح راضی نہ ہوئے حالانکہ واقعی اسوی سے کھینچ کا پیو لی سطر اسوی سے کان چر جانے کا پورا دکان پورے کھینچی کے سطر سے کھینچ زیادہ آسان تھا۔ مگر ہمارے محل کے شریک صاحب کو یہ تمام مصیبتیں گوارا نہیں لہذا وہ پیو لی چلنے کے نام سے خدا جانے کیوں عالم میں جھلا ہو جاتے تھے۔ بہر حال ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ یہ تمام مصیبتیں ہمیں۔ لہذا اپنی قسمت پر شاکر نہ یہ تمام لکھتے تھے۔ ڈرامہ راندے اور ایشٹن ماسٹر کی شخنی میں برابر جوش و خروش کا سلسلہ جاری تھا اور اس ختم تھا کہ علاوہ اب تو نوج کھسوت بھی شروع ہو گئی تھی اس لیے کہ ڈرامہ راندے کے چہرے پر خون ہی خون تھا اور ڈرامہ راندے نے ایشٹن ماسٹر کو اس بری طرح کا تھا کہ ان کا کان نہایت آسانی کے ساتھ داسے ہٹکے میں زمین پر گر سکا تھا۔ مگر میں اس وقت ان کو لے چھین شروع کیا کہ "لڑیں کو ہٹا مال گاڑی آ رہی ہے مال گاڑی۔"

یہ شور مل سن کر ایشٹن ماسٹر نے ڈرامہ راندے کو اور ڈرامہ راندے نے ایشٹن ماسٹر کو چھوڑ دیا اور دونوں بے تھا شربین کی طرف دوڑنے ایشٹن ماسٹر نے مال گاڑی کی طرف اوڑتے ہوئے کہا۔

"میں مال گاڑی کو روک رہا ہوں ابھی بہت دور ہے جب تک اس لڑیں کو دوسری ہڑی پر لگا دیا جائے۔"

اس پر ڈرامہ راندے نے انجن پر اپنک کر اس کو آگے بڑھانے کے لیے پر یک کھول دیا اور اس کے چلانے کے پڑنے کو بھی حسب معمول حرکت دی مگر انجن میں کوئی جھنجھٹ نہ ہوئی آخراں نے گھبرا گھبرا کر رد تھوڑے کرتے "سینی جانے اور لڑیں کو کڑک میں لائے کی تمام ہڑوں کو گھما دیا پھر ایسا مگر ایسا کہ تو یہ حال تھا کہ گویا بھلا سے اس مدد کھس حضرت سے عالم ہال کی طرف پھاڑ کر گئی یا کم از کم قانچ کا حملہ ہوا ہے۔ حد یہ تھی کہ ڈرامہ راندے تو ڈرامہ راندے کو کھانڈ کر میں تک کی تمام مساتی جملہ بے کار جیت ہو رہی تھیں آ کر راندہ ٹیکری

سوار نہ ہوئے بلکہ اسوی اسٹیشن ہی پر کھڑے رہ گئے چنانچہ ہم تو سوار ہونے والوں میں تھے اور ہمارے شریک سفر اسوی اسٹیشن پر رہ جانے والوں میں تھے۔ لہذا ان کی غیریت تو معلوم نہ ہو سکی البتہ ہمارے حال ہوا کہ ہماری ٹرین نہایت تیزی کے ساتھ ڈرائیور بجک کر رہا تھا اور اپنی جان پر کھیلے ہوئے تھا اور ہال گاڑی اس کا قلاب کر رہی اور یہ بھی خیال تھا کہ کبھی ٹرین کو بجک کرنے کا اندیشہ نہیں ہوا ہے خدا جانے کیا اتفاقہ پیش آئے چنانچہ ہمیں ہوا کہ ایک جگہ پہنچ کر ناٹا لکھنؤ اسٹیشن کے اسٹاک کوئی کراٹک تھا ہماری ٹرین رک گئی کہ کیا گئی یہ کہنے کا اندک گئی اور باوجود انتہائی کوشش کے کسی طرح پیچھے نہ اٹلی تو ڈرائیور نے ایک چھلانگ ماری اور دیکھتے ہی دیکھتے ہال گاڑی جس کا ڈرائیور سو گیا تھا اس ٹرین سے اس بری طرح متصادم ہوئی کہ کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر ہمارے منہ پر آ کر گر کر اور ہم ایک دم سے چونک پڑے۔

حق کی نے ہمارے منہ پر آ کر گر کر جی اوری ہم آرام کر رہے تھے اس طرح لینے ہوئے تھے گو بیارات بھر اس پر سوتے نہیں بکڑے رہے لیکن غصہ خدا کا کہ کرات کو اپنے گھوڑے سے لٹک کر سوتے کہ کان پوری ٹرین چھوڑی اور اس کے بعد بھی آگ کاس وقت مکمل جب دھوپ سر پر مکمل رہی تھی۔



صاحب ڈان کا گھر بس کھلی نے گھبرا کر چیخ شروع کیا۔

”اے صاحب کیا بس کی جان لو گے ٹرین لڑاؤ گے۔ کیا مطلب ہے؟“ کھوکھڑے نے کہا ”مہاراج یہ چھاپی نہیں آ کر کیا کیا جانے ڈراہٹنی جگہ سے بچے تو شاید کچھ جان پیدا ہو۔“

سیکرٹری صاحب ڈان کھلی نے پکار کر کہا ”وہ دیکھئے سامنے تل گاڑی جا رہی ہے اس کے تل کھول کر اس میں جرت دیکھئے شاید اسی سے حرکت ہو۔“

کھوکھڑے نے بھی اس جھجڑ کو کچھ مناسب خیال کیا اور پک کر تل گاڑی کے تل باوجود گاڑی بان کے ”ہاں ہاں“ کے کھول لیے اور انجن میں آکر ہاتھ دے مگر ان کی زور آ رہی تھی بے کار بت ہوئی آخر ایک الال بھٹکوسافر نے پچ کر کہا ”صاحب کوئی بھی ہے یا نہیں۔“

ڈرائیور نے کہا ”ہاں کوئی ابھی بہت ہے۔“

ایک اور مسافر نے کہا ”اور انجن میں پانی۔“

کھوکھڑے نے جھجڑ کا راز انداز سے کہا۔ ”ہاں جی ڈراہٹنی تو دیکھو“ ڈرائیور نے انجن کی شکل میں پانی جو دیکھا تو واقعی اندازہ تھا۔ اب سمجھ میں آ گیا کہ انجن کو کیا انداز تھا کرب سواں یہ تھا کہ پانی آئے تو کہاں سے اس لیے کہ انجن تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا تھا پانچ بج تھا تو رات گیارہ۔ آخر شب نے یہ جھجڑ کی کر قریبی کوئیں سے پانی بھرنے والوں کے گھوڑے جن جن کھن کر پانی بھر دیا جانے اس جھجڑ پر عمل بھی شروع ہو گیا تھا پانچ بج وہ ہال گاڑی آ گئی۔ ڈرائیور نے ہال گاڑی کو دیکھتے ہی انجن پر سے چھانٹے ہوئے آواز لگا کر کہا۔

”ہال گاڑی روکو ٹرین لڑتی ہے مسافر گاڑی کھڑی ہے مسافر گاڑی“ مگر جب ہال گاڑی کسی طرح نہ کی تو پھر ڈرائیور نے مقل پھاڑ پھاڑ کر آواز لگانا شروع کیا کہ ”مسافر اترو گاڑی لڑتی ہے جلدی کرو ٹرین لڑتی ہے“ مگر اس کا بھی نتیجہ کچھ نہ ہوا اس لیے کہ وہ مسافر جس تصادم کی خبر سن کر پہلے ہی سے اترے ہوئے تھے وہ تو غیر ہادر ہے لیکن اسٹیشن ماسٹر اسوی اور ڈرائیور کی لڑائی سے جو مسافر تارہ کش ہو کر باخوف زدہ ہو کر ٹرین میں گھس گئے تھے پہچنے نہ اترے آخر کار ڈان نے چلا کر کہا۔ ”ڈرائیور جلدی کر رہی ہیں بیک کرو پیچھے چلاؤ بہت تیزی کے ساتھ۔“

یہ سننا کہ بہت سے مسافر بھاڑا کر اپنے اپنے گھس گئے اور بہت اس کے باوجود ٹرین لڑنے کے خوف سے ٹرین پر

24

دن بھر کے جھلے عامے سے ابھی تھے اور رات کو سڑکی درمیں تھا۔ "مگر" بندے کے ماترم" کے غمروں پر کان کھڑے کر لینا ہمارا ہیبت کی عادت ہے اور ان غمروں کو بھی یہ ضد ہے کہ جو حال بھی ہو بنار ہوں کسی ضروری کام سے باہر جا رہے ہوں یا اور کوئی مجھ پر ہوا غم یہ نہیں دیکھتے اور اپنی طرف ہم کو کشائ کشائ کھینچ کر چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی میں ہوا کہ حلق کاٹھا اور صرا میاں ایک دوکان پر یہ کہہ کر کھڑا تھا۔

”بھائی! ابھی آتے ہیں“ اور یہ سچے پڑا ہل میں گھس گئے۔ جہاں ایک صاحب جو صورت سے اندازہ معلوم ہوئے تھے، بھی کچھ پر کاڑھ کے یا کوئی کیپ“ والا مٹی موچے سے قارغ الہال ایک لہسا کھرکا کر نہنگوں میں وہی کھرکی دھنکی اور چبل پہنے ہوئے تھے، ایک باڈو اپنی پشت پر رکھے ہوئے اور دوسرے ہاتھ کوچنگ کی طرف اٹھاۓ ہوئے اس طرح حرکت دے رہے تھے۔ جیسے بیڑا سطر اپنے بیڑ کو حرکت دیتا ہے وہ کہہ کہ بھی رہے تھے مگر معلوم نہیں کیا اس لیے کوکھی تو کہتے کہیں مشرق کی طرف محم جاتے تھے، کبھی مغرب کی طرف اور کبھی ایک دم سے پیچھے مڑ جاتے تھے۔ بہر حال یہ فیصلہ کار کا برم ان کی پشت کی طرف تھا جس نے سامنے اس لیے مشکل تھا کہ ان کو خود راہ فراموش تھا وقت جس پر وہ کھڑے ہوئے محم رہے تھے۔ مجمع کی وسط میں تھا اور تمام مجمع کا رخ غفلت کی طرف، کبھی کسی کی طرف منہ، کبھی کسی کی طرف پشت ہو جانے کا سلسلہ جاری تھا اور یہی طرح ان کے الفاظ کی بھارت صاف اور کبھی دور کی آواز کی طرح اور کبھی ہانکن لہسن ہمارے کانوں میں بجتی رہے تھے۔ ہاں ایک بات یہ حق کہ ہمارے طرف کے لوگ گل جانے میں اتروڑن اور بچنے کے لوگوں سے زیادہ ماہر معلوم ہوتے تھے۔ اس لیے ہم اکثر رہنے کے معاملہ میں ذرا گھمائے میں رہے۔ پھر بھی چونکہ سبایت کافی تھا اس لیے کہ شروع سے آفریقہ الفاظ چل چل کر کبھی انگریزی میں، کبھی اردو میں، کبھی تین میں، کبھی علم میں، کبھی ہنس کر، کبھی چیخ کر، کبھی ادھر مدد کر، کبھی اگر حکم کرو ہی الفاظ کے حار سے خیر نمونے بنے لے تھے۔

"یہاں خوب وہ وقت نہیں ہے کہ ریزولوشن پاس ہوں اور رہ جائیں۔۔۔۔۔ چنانچہ حضور ہیں اور شرمندہ عمل نہ پیش کر سکیں گی۔۔۔۔۔ اب چار ماہ ہو گئے۔۔۔۔۔ اسی بار میں۔۔۔۔۔ کہ تم کو۔۔۔۔۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کے بعد اپنا کام اپنے انصاف انجام دینا ہے۔۔۔۔۔ اپنے خیال پر کھڑا ہونا ہے۔۔۔۔۔ (دوسری طرف ہمیں ملے)۔"

خواب غفلت سے بیداری کا وقت یہ ہے۔ اور وہاں تم برقی گورنمنٹ
سوراج مسودہ کی چرخہ کھول کر (بعد تفریح)۔

دو گھنٹہ میں ہم نے صرف ایک سٹار اور کچھ لیا کہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کے بعد سورج ضرور مل جائے گا۔ انہاں سب سے زیادہ وہاں سے کہو کہ ابھی نہیں ہوکا اور اگر ابھی ہو تو ہم کہا کریں انہاں سے لیے یہی بہت تھا کہ ۱۳ دسمبر کو سورج ملے گا ہم ابھی عیال میں فرق محسوس کرنا چاہتے تھے خود کھٹے کھاتے کسی نہ کسی طرح باہر نکل آئے دوکان پر آ کر حلقہ کا نچلا 'مرا حیاں' بکے پر لا دی اور بھرتی کئے۔ اسباب باقاعدہ کھانا کھایا اور ۱۴ دسمبر کی رات کو رشتہ فرمانے گئے گاڑی کے وقت میں ابھی پرے سے دیکھتے تھے۔ اس لیے اطمینان بھی نصیب نہ تھا۔ مگر احتیاطاً شیرانی میں انیس اسٹار کی قمی کر چھپی ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہ جانے کا اسٹیشن روانہ ہوا ہمیں گئے۔ گجرات کے عیال اور ۱۳ دسمبر کے سورج کا مل جانہ ہمیں بھانپنا تھا۔ مگر جاری کچھ بھی اس طرح یہ بات نہیں آتی قمی کی طرف سورج کے لیے ۱۳ دسمبر کی سطر کی گئی ہے۔

اگر آج اسکو ممبر بنو تو ہم اپنی ریل پر سڑکرتے۔ نہ بدلتی گاڑا ہوتا نہ قمار نہ ڈراما نہ خور و شاعر اور نہ کالمیڈ اور نہ چہ بہ نہ خود
ی ریل کے مالک ہو تے۔ چاہے قرضہ مل بیٹھے چاہے فرسٹ میں ہم سے کوئی پچھے اور نہ ہوتا ہم خود فرسٹ میں بیٹھے اور
انگریزوں کو قرضہ مل گیا کہ خوش ہو تے ہوئے سڑکرتے۔ ہم یہ سوچتے تھے کہ ایک دم سے کان میں بھری دی "بندہ ماترم"
کی آواز آئی اور ہم ایک دم بکھڑے ہو گئے۔ گھر سے باہر نکلے دیکھتے کیا تھا کہ ایک بہت بڑا جلوس "مہنڈوں" "مہنڈیوں" اور گھوڑوں
سے سجا ہوا "بندہ ماترم" کے نعروں سے نڈھنڈا رہا۔ ان جان لوگ گھڑا ہوا اور بے مکان کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ ہم نے لوگوں سے
پوچھا کہ "بھائی یہ کیا ہے؟" جواب ملا کہ کیا سارے جتنے شخصیں کہ سراج مل گیا؟ "ہم نے اپنے دل میں کہا کہ "اے ہونو! دادو جاتو
تو مل ہوئی تھاری اور سراج مل گیا ان لوگوں کو اور سے ہم کو مل تو ایک بات بھی تھی۔" پھر سوچا ہم اور یہ لوگ غیر تھوڑی ہیں۔ ان کو ملایا
ہم کو ایک ہی بات ہے۔ گھر وہ نکال ہوا کہ سراج مل گیا۔ دل کی طرح جین ہی تے کہ سراج مل گیا ہوا گا کا اگلے تک جلوس
نظروں سے دھیل نہیں ہوا تھا۔ جب جلوس کی طرف نظر میں جاتیں تو جین جاتا کہ سراج مل گیا اور جب سراج ملنے پر غور کرتا
شروع کرتے تو دل کہتا کہ ابھی نہیں ملا ہے۔ لیکن آخر جب ہر شخص نے سراج ملنے کی خوش خبری سنائی تو کھلب کھلب دور ہوا اور ایک
آواز اٹا اور خود دھن راند سانس لے کر ہم نے ہلکی مہرجا اپنے آپ کو آواز دیا ابھی ہم اپنے آپ کو آواز نہ بھیجی رہے تھے کہ گھنڈے نے
ٹپ ٹپ کر کے دس بھادے یعنی ہم کو خود ٹپ ٹپ جانے کا حکم دیا۔

ہمارے آپے آدی کے لیے سڑ شروع کرنے کا یقین لوگوں کو اس وقت ہوتا ہے۔ جب ہم نکت خرید لیں۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنی یہ عادت ڈال رکھی ہے کہ سڑ کرنے سے پہلے نکت ضرور خرید لیجے ہمیں۔ چنانچہ جب ہم کو جو سب سے پہلا مرحلہ اسٹیشن تک کی درجن ہوتا ہے وہ بنگلہ آفس کی کھڑکی میں جھانک کر نکت خریدنے کی درخواست پیش کرتا ہے۔ چنانچہ آٹا بھی ہم نے بالکل اسی پروگرام پر عمل کیا اور بنگلہ آفس کی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

”باہوئی کان پر کا سینڈ کھاس دے دیجئے۔“

باہوئی نے ہمارے اس کے کر نکت دے پہلے تو ہم کو گھورا پھر نہایت اطمینان سے فرمائے گئے۔

”ایک بات کہہ دیں یا سول تول؟“

میں سمجھا باہوئی مذاق کر رہے ہیں اور میں ہنس دیا۔ میرے پسینے پر باہوئی نے کہا۔ ”جناب سنے عین روپے ہوئے لایے روپے اور نکت لے لیجئے۔“

اب تو مجھے اور زیادہ غیب ہوا اور میں نے کہا۔

”جناب عین روپے کیسے ہوئے ایک روپہ حیرت آنے کو کر رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں عین روپے مجھے کان پر کا نکت چاہئے ہے۔ کان پر کا سینڈ کھاس۔“

باہوئی نے راز خشم روہو کر جواب دیا۔

”جناب والا؟ میں ہم انہیں ہوں۔ سن لیا ہے کہ آپ کو کان پر کا سینڈ کھاس نکت چاہئے۔ مگر اسی کے عین روپے ہوئے۔ کوئی کم ذلوں کا پی پی لے لیتے ورنہ جانے دیجئے۔“

میں ”مگر باہو صاحب انہی برسوں تک تو ایک روپہ حیرت آنے کو کر رہے تھا کہ ایک دم بڑھ گیا۔“

باہو ”کل کی بات کل کے ساتھ۔ آج دنش ہمارا ہے ہم کو سوراخ لیا گیا ہے۔“ میں ”یہ کہتے کہ سوراخ ریل کو بھی ملا ہے۔ اچھا نکت دیجئے نہیں تو گاڑی چوٹ جائے گی۔“

باہو ”لاہور روپے پڑا چھانڈا آپ کی بات نہ ہماری بات داخل روپے دے دیجئے اور نکت لے لیجئے۔“

باہو صاحب کی ان تمام باتوں پر کچھ فحش آ رہی تھی اور کچھ فحش رہا تھا کہ فصول ان باتوں میں وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اگر گاڑی چوٹ گئی تو درمیانیت آئے گی۔ نکت وکٹ سب دہرا دے گا۔ آخر کار میں نے ملے کر لیا کہ میں بغیر نکت کے سڑ کروں

گا اور یہ سوچ کر میں بنگلہ آفس سے چلنے لگا مجھ کو ہاتھ ہوا پھر کچھ باہو صاحب نے ہمارا ڈاڑھی۔

”سنئے تو جناب“ ”میرے تو جناب“ ”کیسے تو جناب“ ”اچھا اور پے دے دیجئے۔ آہے وہی ایک روپہ حیرت آنے دے دیجئے۔“

اب وہ بھی نہ دیجئے گا؟ اچھا آپ بھی کیا کہیں گے۔ لایے لایا زور دے۔ اب اس سے زیادہ ہم نہیں کر سکتے۔ ہمارا نقصان ہو رہا ہے۔“

جب ہم نے نکت کے بازار کا ہاتھ اس طرف مڑتے دیکھا تو اور اڑ گئے اور ناک بھونچا کارڈ مارگران ترجی کی کے دو ہیں سے کہہ دیا۔

”ایک روپہ دیا گیا ہے۔ ایک روپہ کھانا ہوا ہے۔“

ہم کچھ تھکے تھے کہ باہو صاحب اس پر راضی نہ ہوں گے مگر وہ اللہ کمال کیا نہیں لے کر گردن ہٹا کر راضی آواز میں کہنے لگے۔

”لایے صاحب لایے یا فنی کا وقت ہے۔ آپ سی کے ہاتھوں یا فنی کرتا ہے۔“

نکت تو ہم نے لے لیا۔ لیکن وہ نکت ریل کا نکت معلوم نہیں ہوتا تھا اس پر تاریخ پڑی ہوئی تھی اور اس پر کچھ چھاپا ہوا تھا۔

باہو صاحب نے ایک کانڈ کے کھڑے پر ”درج دوم کاز“ لکھ کر ایک ٹیڑھی سی کلیئر کھینچ دی تھی جو ٹالیا ان کے دھکا تھے۔ ہم نے نکت کو ادھر سے دیکھا ادھر سے دیکھا۔ اور دو تین مرتبہ غور سے اسٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد باہو صاحب کا منہ دیکھنے لگے۔ باہو

صاحب بھی ذرا قیافہ خفا سے تھے ہماری اس حرکت سے وہ ہمارا مطلب سمجھ گئے اور ختم ہو کر کہنے لگے۔

”جناب والا! رات کو سوراخ ملا ہے۔ ابھی نے نکت نہیں پیچھے ہیں۔ ۱۱۰۰ دو تین دن میں چھپ جائیں گے۔ آپ کو نکت سے کیا

مطلب آپ تو سڑ لیجئے۔ اب آپ سے کوئی نہ پیچھے گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔“

باہو صاحب نے تو قیاسی سے وہی حکم دیکر رہے تھے کہ نکت پر نہ تاریخ ہے اور نہ کریڈٹ فاصلہ اور فاصلہ ہوتا تو کہاں سے۔

انہوں نے تو یہ بھی نہ لکھا کہ سڑ خفہاں سے کر رہے ہیں۔ مہر حال یہ سمجھ کر یا تو روپہ کی یا ہم حیرت آنے کے قطع میں رہے ہم اسٹیشن میں داخل ہو گئے۔

اسٹیشن میں حالانکہ سب کچھ وہی تھا جو آٹا سے قبل ہم دیکھ چکے تھے مگر اس سالان کے باوجود بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے

اسٹیشن کو تھوڑا سا کھڑا دی ہے یا لٹا ہوا نہ کرنا تک دیا ہے۔ وہی گھڑی تھی وہی گھڑی ”مگر اس بجتے میں ہنوز بجیں منٹ باقی تھے۔“

حالانکہ اب کیا یہ کا وقت تھا۔ اسباب کے قریب پر پان والا اپنی دوکان لگائے بیٹھا تھا۔ قریبوں کا کہیں پڑ نہ تھا۔ ہماری کچھ میں نہ آتا

دلو یا تھا وہ اب ہم کو معلوم ہوا کہ یہی پیکر لڑی گاؤں کا گھر میں کھینچ لی ہیں۔ غرضیکہ ان کے تھکے لٹنے کے بعد ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر چلے گیا اور انہی بھی میں سے ان کے گائے ایک کھد پر پش پشیل ڈیرے پر گزار لال اور ہجر گاڑھے کی چھٹی ہڈی لیے ہوئے بھی نمودار ہوئے اور ہم نے اپنی جگہ پر بھی کھد کیا کہ یہ گاڑو ہیں۔ ان گاڑو صاحب نے کڑے کی بیب سے ایک بیٹی نکال کر بھائی اور پہلے سرخا پھر جلدی سے ہجر چھڑی بلا دی تھی۔ دو تین مرتبہ بیٹی بھا کر اور چھڑی بلا کر غرضیکہ انہی کی طرف جھپٹے اور رانچہ کو داخلہ شروع کر دیا۔ "مختصہ بھرے بیٹی بھا رہا ہوں مگر تھارے میں کان آواز ہی نہیں آتی اور آسمان بھی پھوٹ گئی ہیں کہ چھڑی بھی نہیں دیکھتے۔" ڈرانچہ نے بھی ان کے سبے چارے کا جواب کڑک کر دیا۔ "جناب آپ آکھیں مجھ پر کیوں نکال رہے ہیں میرا کیا قصور ہے دو جھنڈے سے کھو گاڑ میں کوئلے لیتے گیا ہوا ہے کہہ دیا تھا کہ لپک کر جلدی سے لے آؤ۔ ابھی تک قاتل ہے معلوم نہیں کیا ہاں کیا چھ بھی بتاؤ یا تھا کہ کاب گج کے چوراہے سے یا پیش باغ کے چھانک سے لے آ جاؤ چار پیسے کم زیادہ کا خیال نہ کرنا محروم چا کر مر گیا۔ اب بتائیے میرا کیا قصور ہے۔" گاڑو صاحب بھی ڈرانچہ کو بے قصور سمجھ کر چپ ہو گئے اور کوئلے کے انکار میں گاڑی روکنے پر مجبور ہوئے۔ انہی میں بڑی بڑی بات ہے کہ وہ کوئلے کے بغیر بھی نہیں سکا۔ جس طرح کھوڑے کے لیے اندھ گھاس ضروری ہے بالکل اسی طرح جب تک کوئلہ ضرورت نہ پائے انہی چلنے کا کام نہیں لیتا۔ مگر اچھا روتو تو تھوڑی دور بھوکا بھی چل سکتا ہے۔ لیکن یہ اتنا بھی کام نہیں دے سکتا۔ اب بتائیے ریل بھی تھی۔ انہی بھی مسافر بھی گئے گاڑو کی پیکر لڑی صاحب گاؤں کا گھر میں کھینچ لی ہیں اور ڈرانچہ بھی تھا۔ مگر کوئلے کے نہ ہونے سے سب کا ہونا نہ ہوتا کیسا تھا۔ کال ویز دھنسنے کے بعد کھوڑا زمین کو کسے کی گھڑی لیے یہ کہتا ہوا آ پہنچا۔ "آؤ می رات کو کوئلہ دنگے لے چلے ہیں۔ تمام دوکانیں بند ہو چکی ہیں۔ ایک دوکان پر اتنا سا کوئلہ تھا وہ بھی بمشکل تمام ایک رو پیہ پر آنے میں ملا ہے۔ بھانسا ہوا رہا ہوں راست میں کبھی پڑا تھا۔ تمام کھنڈے چھل گئے۔ کوئلہ بغیر دون سے مٹا لیا کرو۔"

ڈرانچہ نے جلدی سے کوئلہ ڈالا اور بیٹی بھا کر گاڑی چھوڑ دی۔ گاڑی چلی ہی تھی کہ ایک شور مچ گیا۔ "کوئلہ گاڑو صاحب روہ گئے ہیں۔" گاڑی بھر کر گاڑو صاحب کو سوار کر کے چلی۔ ابھی دھڑلنگ بھی بمشکل چلی ہوئی کہ گاڑی بھر کر اور گاڑو صاحب نے ڈرانچہ سے چلا چاکر چھپنا شروع کیا۔ "ارے لائن کبھی بھی لے لیا تھا۔ لائن کبھی ڈرانچہ نے بھی چلا کر جواب دیا۔" ہاں لے لیا تھا۔ لے لیا تھا۔" گاڑو صاحب نے جب اس طرف سے بھی اطمینان کر لیا تو پھر فرمایا۔ "اچھا تو چھوڑ گاڑی میں بیٹی بھاتا ہوں۔" گاڑی بھر چلی اب گاڑی کی رفتار کے متعلق ہم نے سوچنا شروع کیا کہ یہ سیل ہے یا انیکہ پیرس ہاں لیے کسی کی رفتار سے زیادہ تیز شاہی ہم خود دل لیتے اور اگر ابھی شرط پر در دوڑیں تو اس گاڑی سے پہلے کا پتہ نہ پہنچے گا۔ وہ کرتے ہیں۔ ہم سے آفرند ہا گیا

اور اپنے ایک شریک سفر سے پوچھا۔ "کیوں صاحب یہ سیل ہے ای کی پیرس" وہ پہلے ہی سے کھوٹا بیٹھتا ہے۔ غالباً گاڑی پر ہوں گے غرضیکہ ہم پر اتنا راجہزکر کر فرمانے لگے۔ "میاں خدا کا شکر ہے کہ یہ گاڑی ہے تم کیل انیکہ پیرس لیے بھر رہے ہو۔" ان کا جواب سن کر ہم نے کھڑی میں گردن ڈال کر جنگل کی سر کرنا شروع کر دی۔ سر سے زیادہ دلچسپ نظر یہ تھا کہ راست کے نئے مسافر چلتی گاڑی پر سوار ہوتے تھے۔ لوگ گاڑی سے اترتے تھے۔ چٹا ب کرتے تھے اور پھر دوڑ کر سوار ہو جاتے تھے اور گاڑی چمک چمک بھری رہی تھی وہی رفتار سے چل کر گاڑی اسی کے آئینہ پر کی اب ہاں ایک نا بھڑا یہ شروع ہوا کہ آئینہ بائیں اسی سے ڈرانچہ پر غصا ہونا شروع کیا کہ

"جب تک میں سٹکل نہیں دیا تو کو آئینہ میں گاڑی لائے گا کتن کون سا تھا۔"

ڈرانچہ۔ "جب آپ نے گاڑی آتے دیکھی تو آپ نے سٹکل کیوں نہیں دیا۔"

آئینہ بائیں "اسٹر" ایک لوگ گاڑی لے آؤ پر سے اترنا لڑتا ہے۔ ابھی نکھڑا ہوا گ۔ دوسرا ڈرانچہ رکھوں گا تو مجھ سے گستاخی کی اگر گاڑی لا جاتی چھارہ کیا جاتا۔ آئی کی سب ہم پر آتی۔"

ڈرانچہ۔ "دیکھئے زبان سنبھال کر کسی شریف آدمی سے باتیں کیا کیجئے۔ لو کہی کی ہے عزت نہیں چنگ ہے۔ بڑے آئے وہاں سے کالے والے مجھے سم ای سے تو تو کہیں اچھا کیا گاڑی لائے خوب کیا گاڑی لائے اب اس ضد پر جڑا مرتد لائیں گے دیکھیں امارا کو کیا کرتا ہے۔"

آئینہ بائیں "اسٹر" دیکھئے گاڑو صاحب منع کر لیجئے اس کیسے کینے میں کی باتیں کر رہا ہے۔ افسری بائیں کا کچھ خیال نہیں میں بھائی پر چڑھ کر خون پی لیتا ہوں۔" گاڑو نے کہا۔ "انہاں جانتے بھی دو۔" ابھی ابھی یہ کیا کرتے ہو انہاں قمری ہٹ جاؤ بھائی قمری ہٹ جاؤ۔" امارا سے ارے ارے چھوڑو دیکھو کبھی مسٹر قمری ارے یا مسٹر قمری۔"

آئینہ بائیں "اسٹر" نے ڈرانچہ کو رانچہ ڈرانچہ نے آئینہ بائیں کو کھنڈے لے لیا تھا۔ چھوڑو جوتے رسید کر کے شروع کر دیئے اور تمام مسافر یہ بھڑا دیکھتے کھنڈے ہو گئے بمشکل تمام گاڑو نے چلے گاؤں اور بھجوا کر وہوں کو غصہ کیا۔ ابھی بے چارہ بھجوا رہا تھا کہ کسی نے آکر گھبراہٹی ہوئی آواز میں کہا شروع کر دیا۔ "گاڑو صاحب اسے گاڑو صاحب ابھی دو مال گاڑی سامنے سے آ رہی ہے اور اسی بازو پر آ رہی ہے غصہ ہو گیا۔"

گاڑو بھی یہ سنتے ہی بدعواں ہو گیا اور چٹن شروع کیا۔ "مسافر چھڑی اترؤ چھڑی اترؤ گاڑی لاتی ہے گاڑی لاتی ہے چھڑی

اترو۔“

سب مسافر گھوڑا کرنا اسباب کچھ لے کر کچھ چھوڑ کر گاڑی سے نکل آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہل گاڑی جس کا ڈرائیور سو گیا تھا اس گاڑی سے بری طرح نگرانی کر کھڑی کا ایک شیشو ٹوٹ کر میرے منہ پر آ پڑا۔

میں ایک دم سے چونک پڑا۔

”اٹکی“ نے ”میرے منہ پر آ گئی تھی۔ جھیل چکا تھا۔ آرام کری بھی ٹھنم سے تر ہو گئی تھی اور گھڑی میں بھی دو بیٹے کے قریب تھے۔ میں کرسی سے اٹھ کر چار پائی پر لیٹ گیا اس لیے کہ اب گاڑی تو چھوٹ چکی تھی اب ہوئی کیا سکتا تھا بجز آرام سے سونے کے۔

